

# ماہنامہ محدث لاہور

## ماہنامہ 'محدث' لاہور کا اجمالی تعارف

مدیر اعلیٰ: حافظ عبدالرحمن مدنی      مدیر: ڈاکٹر حافظ حسن مدنی

ماہنامہ 'محدث' لاہور، ہندوستان سے نکلنے والے ایک رسالے کی ہی ارتقائی شکل ہے۔ جامعہ رحمانیہ دہلی سے نکلنے والے رسالے - جس کا نام **محدث** تھا - کو پروان چڑھاتے ہوئے تقسیم ہند کے بعد دوبارہ ماہنامہ 'محدث' لاہور کے نام سے پاکستان میں معروف عالم دین و دانشور **حافظ عبدالرحمن مدنی** نے اس کا اجراء کیا۔ یہ تحقیقی رسالہ ۱۹۷۰ء سے اب تک کامیابی و کامرانی سے شائع ہو رہا ہے، واللہ الحمد!

**محدث** کی علمی پہچان کے حوالے سے اتنا ہی کافی ہے کہ یہ ہر صاحب علم و فضل کی ضرورت بن چکا ہے کیونکہ اس کے مضامین جدید فکر کے حامل اور لحدانہ افکار کیلئے شمشیر بے نیام کی حیثیت رکھتے ہیں۔

## گھر بیٹھے 'محدث' وصول کیجئے!

قارئین کرام! گھر بیٹھے محدث حاصل کرنے کیلئے درج ذیل طریقہ کار اختیار کریں!

فنی شماره: ۲۰ روپے      زیر سالانہ: ۲۰۰ روپے      بیرون ملک: ۲۰ ڈالر

بذریعہ منی آرڈر / بینک ڈرافٹ ۲۰۰ روپے بھیج کر سال بھر گھر بیٹھے **محدث** وصول کریں اور علمی و تحقیقی

مضامین سے استفادہ کریں۔      ایڈریس: ماہنامہ محدث، ۹۹ جے، ماڈل ٹاؤن، لاہور ۵۴۷۰۰

فون نمبر: 035866476 / 3586639 - 042      موبائل: 0305 - 4600861

انٹرنیٹ پر **محدث** پڑھنے اور ڈاؤن لوڈ کرنے کیلئے درج ذیل ویب سائٹ دیکھئے!

www.kitabosunnat.com      www.mohaddis.com

مزید تفصیلات کیلئے: webmaster@kitabosunnat.com

## اجرائے محدث کے مقاصد

✍ عناد اور تعصب قوم کیلئے زہر ہلا بل کی حیثیت رکھتے ہیں!

لیکن تعصبات سے بالاتر رہ کر افہام و تفہیم اُمت کیلئے رحمت کا باعث ہے۔

✍ علوم جدیدہ سے ناواقفیت اور انکار، انسانی ارتقاء کو تسلیم کرنے میں بخل کا درجہ رکھتے ہیں!

لیکن قدیم علوم اسلامیہ کو فرسودہ قرار دینا اور مذہبی روایات کے حاملین کو دُقیانوس بنانا اُمت کی تباہی کا سبب ہے۔

✍ غیر مذاہب کے بارے میں معاندانہ رویہ اختیار کرنا اسلامی اُقدار کے منافی ہے!

لیکن دین اسلام پر غیر مذاہب کے حملوں کا دفاع نہ کرنا اور اسلام کی تبلیغ کا فریضہ سرانجام نہ دینا حمیت دینی اور غیرت اسلامی سے یکسر انحراف ہے۔

✍ تبلیغ دین اور اشاعت اسلام میں حکمتِ عملی کو نظر انداز کر دینا مصالِحِ دینیہ کے خلاف ہے!

لیکن حلال اور حرام کے امتیاز میں رواداری برتنا اور قوانین و مسائل اسلامیہ کو نرم کر دینا اسلامی روح کو کمزور کر دینے کے مترادف ہے۔

✍ آئین و سیاست سے بیگانہ ہر کر عبادت کیلئے گوشہ نشین ہو جانازندگی سے فرار ہے!

لیکن جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی۔

✍ جاہل کو دور ہی سے سلام کر دینا عبادِ صالحین کے اوصاف میں داخل ہے!

لیکن جاہلیت کو مٹانا اور باطل کا تعاقب کرنا عین جہاد ہے۔

اگر آپ ایسا منصفانہ اور معتدلانہ رویہ پسند کرتے ہیں تو

# ماہنامہ مہمات

کا مطالعہ فرمائیے، آپ اس کو ان جملہ صفات و محاسن سے مزین پائیں گے، ان شاء اللہ!

کیونکہ اس کے مضامین اسی مخصوص طرزِ فکر کے حامل ہوتے ہیں۔

# فہرست مضامین

- ۱۔ فکر و نظر ..... نیا سال — نیا تہیا ..... ۳
- ..... جائزے ..... ۷
- ۲۔ دل و دھڑک رہا ہے (نظم) ..... عبدالرحمن عابز ..... ۱۳
- ۳۔ التفسیر والتبصیر ..... سورۃ البقرہ قسط ۱۱ ..... مولانا عزیز زبیدی ..... ۱۳
- ۴۔ مشہدیت ہلال، اذلہ شریعہ کی روشنی میں ..... شیخ الحرم عبداللہ بن حمید ..... ۲۷
- ۵۔ صبح کی نماز کا اول وقت اور اس کا مسنون طریقہ ..... دارالافتاء ..... ۴۹
- ۶۔ علمائے حق کے لیے لمحہ فکریہ ..... ابوسعید (شیخوپورہ) ..... ۶۶
- ۷۔ مولوی غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ ..... اختر راہی ..... ۷۴
- ۸۔ تعارف و تبصرہ کتب ..... ابوشاہد، عزیز زبیدی ..... ۸۰
- ۹۔ مذاکرہ — تعمیر فرد اور اصلاح معاشرہ ..... (ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر منیر حسن معصومی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں، مولانا مایہ قادری، حکیم محمد سعید و ملوی، حافظ نذراحمہ) ..... ۸۸

# نیا سال — نیا تہیا

## دینی تحریکوں کے لیے ایک نیا پروگرام

اسلام اپنے اندر جان آفرین قوت رکھتا ہے، یہ اس کا فطری خاصہ اور بنیادی جوہر ہے، لیکن کاغذ کے پرندوں میں پڑے پڑے نہیں، کیونکہ یہ کوئی تعوید نہیں ہے، بلکہ جب اسے برپا کیا جائے تو پھر ہی یہ ہر آن ایک نئی دنیا عطا کرتا ہے۔

کوئی قابل ہو تو ہم شان کئی دیتے ہیں  
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

ہر پاکیزہ حسرت پوری ہو جاتی ہے اور ہر شایانِ شایاں اعزاز سے مل جاتا ہے، فکر میں رفت اور عمل میں جلا پیدا ہو جاتی ہے، اور مسلم دنیا میں ایک ایسا درخشندہ ستارہ بن کر چمک اٹھتا ہے کہ اس کا پورا ماحول بقعہ نور دکھائی دیتا ہے اور کائنات اسے روشنی کا مینار ہدایت تصور کرنے لگ جاتی ہے — یہ وہ حقائق ہیں جن پر قرآن کا حکم اور سنت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات گواہ ہیں۔

وَلَوْ أَنَّهُمْ مَاتُوا السُّوءَ وَالْإِجْحِيلَ وَمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَا كَلُومًا مِنْ نَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَنْجِلِهِمْ رِثَ (السائدہ ع)

اور اگر یہ تررات، انجیل اور جو (کتاب) ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل کی گئی، قائم رکھتے تو ضرور اوپر سے (رزق برستا اور پاؤں کے تلے سے) (ابلق اور فراغت سے) کھلتے۔  
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَآمِنُوا بِرَسُولِهِ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَحْمَتِهِ وَيَجْعَلْ لَكُمْ نُورًا تَمْشُونَ بِهِ وَيَعْفُوكُمْ رِثَ (الحديد ع)

مسلمانو! اللہ سے ڈرتے رہو اور سچے دل سے (اس کے پیغمبر پر ایمان لالو کہ خدا اپنی رحمت میں سے تم کو دہرا حصہ دے اور تم کو ایسا نور عطا کرے جس (کا روشنی) میں چلو اور وہ تمہارے



فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنْزِلَ مَعَهُ، أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ (پ۔ الاعراف ۱۹)

تو جو لوگ ان پر ایمان لائے اور ان کی حمایت کی اور ان کو مدد دی اور جو نور (ہدایت) ان کے ساتھ بھیجا گیا ہے اس کے پیچھے ہوئے یہی لوگ کامیاب ہیں۔

یہ وہ اسلام ہے جس کی دنیا کو تلاش ہے لیکن تلاشِ بسیار کے باوجود، کاغذی وعدوں کے سوا خارج میں اس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔ کیونکہ جو اس کے نام لیا ہیں، وہ سب سے زیادہ تہیٰ امن ہیں اس لیے دنیا یہ تصور کرنے لگی ہے کہ اسلام ہی شاید مسلم کی اس کم مانگی کا ذمہ دار ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ پاکستان کے پُر زور مطالبہ پر لڑ کھلا کر نیڈرلینڈز کے تھے کہ:-

”کیا ایک خاص طرز کے لوٹے اور پاجامے کے علاوہ بھی مسلمانوں کی کچھ تہذیب ہے؟“  
یہ طعنے مہنے، طعزہ تعریفیں اور بدگمانیاں صرف اس لیے جنم لیتی رہتی ہیں کہ جس اسلام کا آپ تعارف پیش کرتے ہیں۔ خارج میں وہ کہیں بھی نظر نہیں آتا۔ حالانکہ یہ قصور آپ کا ہے اسلام کا نہیں ہے۔ اس لیے اس سلسلے کی ناحق بدگمانیوں کا جواب بھی کل آپ کو ہی دینا ہوگا۔ اگر بعد کی ان حماقتوں کی باز پرس حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہو سکتی ہے، جو آپ کے نام لیواؤں نے اختیار کی تھیں، حالانکہ حضرت روح اللہؑ کا دامن ہر شائبہ سے پاک تھا، تو ہم سے ان کو تاہیوں کی باز پرس کیوں نہ ہو جن کے فی الواقع ہم مرکب ہوئے ہیں؟ ہوگی اور یقیناً ہوگی۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ کل اس کی جوابدہی کا بوجھ آپ کے دوشِ ناتواں پر نہ پڑے تو اسلام کو وہ مقام دینے کے لیے سر دھڑکی بازی لگا دیجیے جو اس کا حق ہے، اس کو کاغذوں کے دائرہ سے نکال کر عملی طور پر برپا کیجیے۔ یقین کیجیے! اللہ آپ کے ساتھ ہے۔

ہمارے نزدیک اس فریضہ کی ذمہ دار دینی تحریکیں ہیں۔ اگر وہ متحد ہو کر کوشش کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ اس میں کامیابی نہ ہو۔ وہ طریق کار اور ذرائع جو اسلام سے مناسبت بھی رکھتے ہوں اور موثر بھی ہوں، ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں۔ جن کا یہاں استقصا یا استنباط مشکل ہے۔ ان میں سے جو چند ایک ہم اپنا بھی سکتے ہیں اور حالات کے تقاضوں کے عین مطابق بھی ہیں۔

اسلوب تبلیغ بد لیے

اسلامی تبلیغِ پیامِ اسلامیہ کو اگلے گھر میں پھینک آنے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے لیے

ان سے مناسب رابطہ قائم رکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ مبلغ سرپا حامل اسلام ہو، انہیں دیکھ کر خدا یاد آ جائے۔

ب۔ جلسوں کے پلیٹ فارم سے تقریروں کی جو بیارمنٹ ہوتی ہے۔ اس کا رنگ ہیجانی اور جذباتی قسم کا زیادہ ہوتا ہے جو تقریر کے ساتھ عموماً وہ بھی چلتا بنتا ہے، اس لیے انفرادی شکل میں یا وفدوں کی صورت میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے ساتھ ان سے تبلیعی ملاقاتیں بھی کی جائیں، اس خصوصی رابطے کا فیضان نہایت مبارک اور خوش آئند ہوتا ہے، جس کی بدولت خود بخود تنظیمی حلقے بھی بنتے جلتے ہیں اور اس سے انہیں فعال بھی رکھا جاسکتا ہے۔ کام کی بہتات کی صورت میں ان حلقوں کو مختلف یونٹوں میں تقسیم کر کے قابل اعتماد علماء اور مصلحین کے حوالے کر دیا جائے تو کام کو آسانی سے سمیٹا بھی جاسکتا ہے۔

ج۔ ان تقریروں اور ملاقاتوں میں فقہی یا کلامی اختلافات سے قطعی پرہیز کیا جائے، اور اپنی تبلیغ کو صرف ان حقائق تک محدود رکھا جائے جو ہم سب میں قدر مشترک کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کے ذریعے ایک بندہ مسلم کو تزکیہ اور تطہیر کی دولت ہاتھ آسکتی ہے۔ یا ان سے اُتلاف اور اتحاد کے مواقع حاصل ہو سکتے ہیں۔

د۔ اس کے مناسب حال ان کو ایسا لٹریچر بھی مہیا کیا جائے جو عام فہم بھی ہو اور جاذب بھی، جس کے دل کی دنیا آباد اور کردار و عمل میں ایک روح پرور انقلاب آجائے۔

ه۔ مبلغ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے عوام یا قوم کے سامنے ایک بندہ مسلم کی حیثیت سے پیش ہو، خفی، شافعی، اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی اور شیعہ کا لبادہ اوڑھ کر جانے سے حتمی طور پر پرہیز کیا جائے۔ کیونکہ اب سوال ان فرقوں کی حقانیت کا نہیں ہے بلکہ خود اسلام بحث کا موضوع بن گیا ہے، پہلے اس کو اس نرغہ سے نکالیے، مختلف مکاتیب فکر کو ایک تعبیر سے زیادہ اہمیت نہ دیکھیے، وہ زیادہ دیکھیے! اسلام کو جو خطرات درپیش ہیں، وہ خاکم بدہن غارت گردین بھی ہو سکتے ہیں۔

### اسلوب تعبیر

مختلف مکاتیب فکر کے درمیان جو اختلافات پائے جاتے ہیں، بیشتر وہ ہیں کہ اگر ان کو چھپڑا جائے تو اس سے اسلام کے مستقبل کا کچھ بھی نہیں بگڑتا، مثلاً نورد و بشر جیسے مسئلے، حضور کے بعد خلیفہ فلال کو ہونا چاہیے تھا اور فلال کو نہیں، رفع یدین، آئین بالبحر یا بعض معاملات کی نوعیت کے



جو سائل ہیں۔ ان کی بحثیں اگر اب نہ بھی چھیڑیں تو ظاہر ہے، اس سے اسلام کی حقانیت میں کچھ فرق نہیں آئے گا۔ اگر بعض سائل پر کسی صاحب کو اصرار بھی ہو تو بھی اس کو اسلام اور کفر کے معرکے میں تبدیل کرنے کے بجائے خالص علمی بحث تک ان کو محدود رکھا جائے۔

## اقامتِ دین

ہمارے تمام لوگوں کی دعا اور ہماری ساری تمناؤں کی معراج "اقامتِ دین" ہے۔ اگر یہ برپا ہو جائے تو یقین کیجیے! پھر کسی کے دل میں کوئی حسرت باقی نہیں رہے گی اور نہ کسی کو کسی سے کوئی گلہ باقی رہے گا۔ اس لیے اگر ہم اپنی اپنی دفلی بجانے کے بجائے اقامتِ دین کے لیے دوسری تمام دلچسپیوں اور مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ کر قوم کے سامنے جائیں گے تو ان شاء اللہ پوری ملتِ اسلامیہ آپ کو نہایت محترم تصور کرے گی اور آپ کی بات کو ضرور اہمیت دے گی۔

چونکہ اسلام ایک نظامِ زندگی کی حیثیت سے دنیا میں قائم نہیں ہے اس لیے غیر مسلم دنیا بالخصوص اس کے مطالعہ کو کوئی اہمیت نہیں دیتی، اور ہمارے جو سیاست دان مغرب زدہ ہیں، وہ بھی اس کی تقلید میں، اسلام سے کچھ زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے۔ اس لیے اگر آپ چاہتے ہیں کہ اسلام کی برکات اور رحمتوں کا فیضان عام ہو اور دنیا بھی اسلامی حقائق کا احساس کر لے تو اس کو پورے طور پر غالب کرنے کی کوشش فرمائیں۔ کیونکہ حرکت کے بغیر رکت ممکن نہیں ہے۔

## سیاست

آج کل سیاست ہی سبھی کچھ ہو کر رہ گئی ہے، سیاست سے پرے ان کو اور کچھ نہیں دکھائی دیتا اس لیے جب اسلام ان کی خانہ ناد اور جعلی سیاست کے لیے غذا مہیا کرنے سے انکار کر دیتا ہے تو وہ اسلام کو ہی اپنا رقیب تصور کر بیٹھتے ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان سیاسی کھنڈروں سے انفرادی ملاقاتیں کر کے ان کو صحیح صورتِ حال سے آگاہ کیا جائے، اور ان پر یہ بات بھی واضح کر دی جائے کہ اسلام آپ سے تخت و تاج کی بھیک نہیں مانگتا بلکہ وہ عطا کرتا ہے، آپ سے وہ صرف اتنا چاہتا ہے کہ خدا کی زمین میں خدا کے غلام ہو کر رہیں اور دنیا پر حکومت کریں۔ ہم پرے دُشمن سے کہتے ہیں کہ: سیاسی بازی گر، جلسوں کے پلیٹ فارم سے براڈ کاسٹ کی ہوئی تقریروں سے راہ پر نہیں آئیں گے بلکہ خلوتوں میں جا کر، ان کو خوفِ خدا، آخرت کی جوابدہی اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق کا واسطہ دیا جائے، ہو سکتا ہے کہ ان کو ہوش آجائے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

ہم چاہتے ہیں کہ تمام دینی سخریکیں اور ان کے رہنما حالیہ نئے سال کے لیے اسی پروگرام کو عملی جامہ

پہنائیں، ان شاء اللہ منزل کچھ زیادہ دور نہیں ہے۔ ان لوگوں سے کہا جائے کہ حکومت آپ کو مبارک، ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ حکومت کو ”منہاج نبوت“ کے مطابق چلائیں، تاکہ دنیا کے ساتھ آخرت بھی سلامت رہے۔ اور اعلاء کلمۃ اللہ کا جو فریضہ آپ پر عائد ہوتا ہے اس کا اہم بھی آپ کے ہاتھوں ہو۔

کوئی وجہ نہیں کہ آپ کی یہ حکمت عملی اور حکیمانہ تبلیغی ساعی رنگ نہ لائیں۔ بس آپ اللہ کا نام لے کر اٹھ کھڑے ہوں، اللہ تعالیٰ ضرور آپ کی مدد کرے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ان تفسروا اللہ ینصرکم۔

## تشدد کی گولی سے مسائل کا حل

گولی کے ساتھ سیاسی مسائل کو حل کرنے کا جو سلسلہ چل نکلا تھا، جناب شیر پاؤ (اللہ ان کی مغفرت کرے) بھی اس کا شکار ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خون ناحق سب سے بڑی مصیبت ہے، قرآن حکیم کا اعلان ہے کہ قیامت میں ایسے مجرم کی سزا دوسرے جرائم کی بر نسبت دگنی ہوگی اور ذیل ہو کر دوزخ میں بس پڑا ہی رہے گا۔

يُضَعَّفُ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَحْلُدُ فِيهِ مُهَاتًا (الفرقان ٤٨)  
پہلی امتوں کو بھی یہی سنا یا گیا تھا کہ قاتل نے گویا سارے لوگوں کو قتل کر ڈالا۔

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا رِپ۔ (المائدہ ٤٥)  
حضور کا ارشاد ہے کہ ناحق خونِ مسلم خدا کے نزدیک ساری دنیا کی ہلاکت سے زیادہ ناپسند ہے۔  
لَزَوَالِ الدُّنْيَا هَوْنٌ عَلَى اللَّهِ مِنْ قَتْلِ رَجُلٍ مُسْلِمٍ (ترمذی)

بلکہ فرمایا کہ: آسمان اور زمین کی ساری مخلوق بھی اگر مسلم کے خون ناحق میں شریک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اوندھے منہ ان کو دوزخ میں ڈالنے سے دریغ نہیں کرے گا۔

قَوَاتِ أَهْلَ السَّيْرِ وَالْأَرْضِ اشْتَرَكُوا فِي حَرَمِ مُؤْمِنٍ لَا كِبَهُمُ اللَّهُ فِي النَّارِ (ترمذی)

مگر افسوس! خدا کے نزدیک یہ یقینی سنگین بات ہے، اتنی عام بھی ہے، ہمیں اندیشہ ہے جو حکومتیں

اس میں مجرمانہ غفلت کی ترکیب ہوتی ہیں، ہو سکتا ہے کہ خدا کے ہاں انہیں بھی مجرموں کے ہمراہ دھر لیا جائے۔ بہر حال ہم اس قسم کی گولی کی سیاست کی سخت مذمت کرتے ہیں اور حکومت سے مطالبہ کرتے ہیں

کہ ان کے عہد میں ہلکے پھلے جتنے خون ناحق ہو چکے ہیں، بلا امتیاز ان کے مجرموں کو تلاش کر کے قرار واقعی سزا دی جائے۔ اس قسم کے کھیلوں کا جائزہ رنجیت سنگھ کی آنکھ سے نہ کیا جائے بلکہ خالفتہ اور قانونی تقاضوں کے مطابق دی جائے۔



## ماہ محرم، عشرہ محرم، تعزیه

ماہ محرم، سنہ ہجری کا ماہِ اول اور اسلامی سال کی پہلی خشت ہے۔ اس میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام روزے کثرت سے رکھا کرتے تھے کہ سالِ رواں کو شکیات کے بجائے اقامتِ حق کے لیے صرف رکھا جاسکے، اور جِزَع و فِزَع سے بالاتر رہ کر مبروثات کے ساتھ حالات کا مقابلہ کیا جاسکے۔

سالِ ہجری، باطل سے حق، کفر سے اسلام اور دنیا سے شرک سے توحید کی طرف ایک عظیم تاریخی سفر کیا دگا رہے۔ اور وہ اس امر کا تقاضی ہے کہ آپ کے سفرِ حیات کے خدو خال بھی کچھ ایسے ہی ہونے چاہئیں۔ عشرہ محرم بالخصوص، اقامتِ دین اور اتمامِ توحید کے لیے مساعی جمیلہ کے لحاظ سے ماہِ بھر میں سب سے زیادہ معروف عشرہ ہے۔ کیونکہ عاشورہ محرم میں اللہ تعالیٰ نے طاغوت کے مقابلے میں حق کو غالب کیا تھا، اس دن فرعونوں کے جھنڈے سرنگوں، موسیٰ علم سر بلند، شیطان کے سر میں خاک اور طاعت گزاروں کے سراپے رہے تھے۔ ذریتِ فرعون کے گھروں میں نور سے تھے اور حق کے علمبرداروں کے ہاں شادیاں۔

ہذا یوم عظیم انجی اللہ فیہ موسیٰ وغرق فرعون وقومہ (بخاری مسلم۔ عن ابن عباس)  
رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اس دن ہیں یومِ تشکر منانے کا حکم دیا ہے کہ روزے رکھا کریں۔

یَحْشُنَا عَلَیْهِ وَیَتَعَاهَدُنَا عِنْدَهُ (مسلم)

اقامتِ دین کی راہ میں، مشکلات، الجھنوں اور مصائب کا ہجوم رہتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ہمت نہ ہاریں۔ گرتوں کو سنبھالادیں اور جو حوصلہ ہار گئے ہوں، ان کو تسلی دے کر تھامنے کی کوشش کریں۔ عربی میں اس طرزِ عمل کا نام تعزیہ ہے۔ تعزیہ اس کا نام نہیں کہ، جو حوصلہ ہار گئے ہوں ان کو مزید بدحواس کر دیا جائے یا جِزَع و فِزَع کر کے آسمان سر پر اٹھالیا جائے بلکہ انا للہ وانا الیہ راجعون کا ورد کر کے اس نشہ کو اور دوا آتشہ کر دیا جائے کہ اس کا مال تھا اسے بے داغ اس کے حوالے کر آئے، الحمد للہ میدانِ کربلا میں حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ علیہ نے راہِ حق میں سرفروے دیا لیکن ہمت نہیں ہارے تھے، ہمیں حکم ہوتا ہے کہ اس مشن کو زندہ رکھیں۔ یزیدی روجوں سے مفاہمت کے بجائے شایانِ شان طریقے سے ان کا مقابلہ کریں۔ سرکٹ تو سکے، باطل کے سامنے جھکنے نہ پائے، یہ وہ افتادار ہیں، جن کا ماہِ محرم امین ہے۔ آج وہ آپ سے ان کا حق مانگتا ہے۔ کیا کوئی ہے جو اس کا جواب پیش کرے۔

## مزارات پر مجلسِ ذکر

وفاقی وزارت مذہبی امور اور محکمہ اوقاف کے زیرِ سایہ، مزارات پر مجالسِ ذکر منعقد کرانے کی نوید سنائی گئی ہے۔ مدتِ نوائے وقت ۶ (فروری)

محکمہ اوقاف، ہو یا مذہبی امور کی وزارت، قومِ نساں کے لیے نہیں قائم کیے کہ، سرکاری سرپرستی میں بدعات کا احیاء اور تخلیق کریں، نہ پاکستانی اربابِ اختیار کو ہم اربل کے میلادی حکمران الملک المنظر کو کیری تصور کرتے ہیں کہ وہ کوئی ابوالخطف اب ابن وحید پیدا کر کے "قبوری" نفعی تخلیق کیا کریں۔ اصل غرض یہ ہے کہ اوقاف کے لیے جائزہ معارف تلاش کر کے دین و ملت کی خدمت کریں، اسلامی اخلاق، قرآنی عمل اور نبوی طرزِ حیات کے احیاء کے لیے مناسب اقدامات کریں۔ اگر اس کے بجائے ان کو سیاسی مطلب آری یا عوام کی ادھام پرستانہ دلچسپیوں کے لیے کوئی سامان کرنا ہیں تو پھر ہمیں ان کی ضرورت نہیں ہے۔

ع اٹھا لو پانِ دان اپنا

## اِنَّ زَلْزَلَنَا السَّاعَةِ شَىْءٌ عَظِيْمٌ

پچھلے دنوں میں سوات اور ہزارہ میں جو عظیم زلزلے آئے، ان کی گونج گرج ابھی تک کانوں میں سنائی دے رہی ہے، گو عہدِ حاضر کا ذہن اسے صرف طبعی عوامل کا نتیجہ تصور کرتا ہے، ان کے پس پردہ کسی حکیم کا جو ہاتھ کام کر رہا ہے، وہ ان کو نظر نہیں آ رہا، تاہم ہمارے لیے اس سے صرف نظر کرنا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ جو ہمیں آجانے کے بعد کوئی بھی چیز خود خدا نہیں بن جاتی کہ اپنی مرضی سے جو چاہے کر ڈالے بلکہ اب بھی ان سب کی باگیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

مَا مِنْ حَآبِيَةٍ اِلَّا هُوَ اَخْذُهَا بِهَا وَجَعَلَ رُفْدًا (ہودع)

باقی رہا یہ کہ، آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ جہاں تکوینی محرکات ان کا محرک ہوتے ہیں، وہاں تادیبی تقدیر بھی کارفرما ہوتے ہیں۔ ان حالات میں عموماً خشک کے ساتھ تر لکڑی بھی جل جاتی ہے اور گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتا ہے، اس لیے آپ کا ارشاد ہے کہ قیامت میں ان کا حشر حسبِ اعمال ہوگا۔ کیونکہ وہ گھڑی امتیاز کی گھڑی ہوگی۔

بہر حال اس حادثہ میں وہاں کے باشندوں پر جو گزری وہ ایک قومی المیہ ہے۔ اس میں جن لوگوں نے دے دے درے درے اور سننے جتنی اور جیسی کچھ کوشش کی، وہ اس کا بہت بڑا اجر پائیں گے۔

کیونکہ یہ صرف قومی اور انسانی فریضہ نہیں بلکہ دینی و اعلیٰ کی ہے۔

مختلف قائدین اور دینی بزرگوں نے اس حادثہ پر سخت صدمے اور رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان مصیبت کے ماروں کی دل کھول کر مدد کی جائے اور ساتھ ساتھ توبہ بھی کی جائے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس آزمائش میں نہ ڈالے۔ یہاں توبہ افراد کی طرف سے کافی نہیں ہے بلکہ پوری قوم خدا کے حضور جھک کر اس سے معافی مانگے اور عہد کرے کہ الہی ہم تیرے فرمانبردار بن کر رہیں گے۔

دنیا کے اس زلزلہ سے ہمارے اور ان خطا ہو گئے ہیں اور اس پر ہمیں جتنی بجاگ دوڑ کرنا پڑی ہے یا احتیاطی تدابیر اختیار کرنا پڑی ہیں ہم سب کو معلوم ہیں، لیکن اس کے علاوہ ایک اور عظیم زلزلہ بھی درپیش ہے جسے ابھی تک ہماری آنکھوں سے مخفی رکھا گیا ہے، جو اس سے کہیں ہمہ گیر، خوفناک اور تباہ کن ہوگا، اس کے لیے بھی کچھ فکر کریجیے، یہاں کے زلزلے تو بے خبری میں آتے ہیں لیکن خدا نے ہمیں اس سے مدتوں پہلے خبردار کر دیا ہے کہ اس گھڑی سے خبردار رہو۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا ذُبُكُورًا ذُلُّ لَئِلَةِ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَرَوُنَّهَا تُذْهِلُ كُلُّ مَرَضَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَنسَوِي النَّاسَ سُكْرَىٰ وَمَا هُمْ بِسُكْرَىٰ وَلَٰكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ رِّثَآءٌ - (الحج ٤)

لوگو! اپنے رب کے عذاب سے ڈرو، قیامت کا زلزلہ ایک بڑی مصیبت ہوگی جس دن وہ تمہارے سامنے آجود ہوگی ہر دودھ پلانے والی لار سے ڈرے گی (اپنے دودھ پیتے بچے) کو بھول جائے گی۔ اور جتنی حمل والیاں ہیں سب کے حمل گر پڑیں گے (مار سے بدحواسی کے) لوگ متوالے ہو رہے ہوں گے حالانکہ وہ متوالے نہیں بلکہ خدا کا عذاب بڑا سخت ہے (جس کے ڈر سے لوگ بدحواس ہو رہے ہوں گے) کیا آپ کو یہ عظیم زلزلہ بھی یاد ہے؟

## قرآن کریم کا روزنی نسخہ

ایک ایرانی خطاط چار سال سے قرآن کریم کے ایک نسخہ کی کتابت میں مصروف ہے جو دنیا کا سب سے بڑا اور روزنی نسخہ ہوگا۔ موثر عالم اسلامی کے ہفتہ وار رسالے ”دی سلم ورلڈ“ نے اپنے تازے شمارے میں خبر دی ہے کہ ایک ایرانی خطاط محمد طالعی اور ان کے چھ خوشنویس بچے قرآن کریم کے اس نسخہ کی کتابت کر رہے ہیں۔ اس نسخے کی تکمیل پر مزید بارہ سال لگیں گے۔ کیونکہ ابھی تک صرف ڈیڑھ سوایتوں کی کتابت ہوئی ہے اور چھ سو صفحات تیار ہوئے ہیں اس نسخے کے صفحات کی لمبائی ساڑ



چھ فٹ اور چوڑائی چار فٹ ہے۔ جب نسخہ مکمل ہو جائے گا تو اس کا وزن سات ہزار دو سو ساٹھ پونڈ ہو گا۔ پورے کام پر ڈیڑھ لاکھ ڈالر لگائے گئے گی۔ اس خطاط نے نسخے کے ہر صفحے پر نقش و نگار بنانے کے لیے تین سو رنگ استعمال کیے ہیں۔ (روزنامہ امروز، ۱۰ جنوری ۱۹۷۵ء)

صدق الله ورسوله وشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له وشهد ان محمداً عبده ورسوله۔ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں پہلے پیشین گوئی فرمائی تھی کہ، ایک وقت آئے گا کہ۔

اسلام کا صرف نام رہ جائے گا اور قرآن کے صرف حروف اور نقش و نگار، مساجد بنی ٹھنیں اور آباد مگر روح سے خالی اور ویران ہوں گی۔

یوشک ان یاتی علی الناس زمان لا یبقی من الاسلام الا اسمہ ولا یبقی من القرآن الا رسمہ صاحبہم عامۃ وہی خراب من الہدی الحدیث رمشکوۃ بحوالہ شعب الایمان)

ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے جذبے اور محنت کا اجرا سے عطا فرمائے۔ لیکن جہاں تک روح قرآن کا تعلق ہے، اس کے تحفظ کا کسی کو کچھ خیال نہیں۔ بلکہ قرآنی نظام زندگی کا تصور آتے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جیسے موت سامنے آکھڑی ہو، یہ قوم بمبوں سے لڑ جاتی ہے، آگ سے کھیل سکتی ہے، پہاڑوں سے ٹکرا سکتی ہے، سیلابوں کے رخ موڑ سکتی ہے اور دنیا جہان کی دشمنی کا خطرہ مول لے سکتی ہے، اگر ان کے لیے کوئی چیز ان کے بس سے باہر ہے یا ذوق اور ہمتوں کے لیے جو شے ناقابلِ برداشت ہے تو وہ روح قرآن جیسی جان آفرین حقیقت ہے۔ جو قلم بڑے حوصلے سے سولہ سال قرآن حکیم کے نقش و نگار اور عجائبات کتابت کے لیے صرف کر سکتی ہے اسی کے لیے یہ مشک جاں گسل ہے کہ وہ قوم اور ملک پورا ایک دن قرآن کو دے سکیں، اس کے پاک سایہ کے نیچے گزار سکیں اور رحمتوں کا جو فیضان قرآن کی وساطت سے ان کو حاصل ہو سکتا ہے، اس کے لیے وہ دو گھڑی انتظار کر سکیں یا اس کو حاصل کر کے وہ خوش ہو سکیں۔

اصل بات یہ ہے کہ، مسلمان اب کستی بخشش کی تلاش میں ہیں، کہ قرآن کی آواز کی تو پر واہ نہ کی جائے لیکن اس کے لفظوں اور حروف کی خدمت کر کے آخرت بنائی جائے اور زندگی میں ہی دنیا سے خراج تحسین وصول کر لیا جائے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ، کتابت قرآن کے سلسلے میں بڑی محنتیں ہو رہی ہیں۔ تاج کپنی، اصح المطابع



اور مجتہاتی مطیع جیسے مطابق اس کی سخت اور خطائی کے نادر نمونے پیش کرنے کے لیے ایک دوسرے سے سبقت لے جانے میں مصروف ہیں۔ حکومت بھی اسی مدت تک اس کی سرپرستی کرنے کی مدد کی بنی ہوئی ہے لیکن اس کے نظام کو قبول کرنے کے لیے کوئی تیار ہے نہ سنجیدہ۔ بہر حال گویہ خطائی خدمتِ قرآن کا ایک نادر نمونہ ہے تاہم حضور نے جو پیش گوئی فرمائی تھی، افسوس! وہ حرف بہ حرف ہم پر صادق آ رہی ہے۔ اس لیے ہم پہلے سے زیادہ فکر مند ہو گئے ہیں کیونکہ خدا جانے کل اس کے نتائج کیا نکلیں؟

## دل دھڑک رہا ہے

جمالِ وحدت جھلک رہا ہے جلالِ قدرت چمک رہا ہے  
نگاہِ ہستی کا گوشہ گوشہ تری چمک سے چمک رہا ہے  
نیاز، راہِ نجاتِ عقبی، غمِ سرور، قہرِ زوالِ ہستی  
مگر صد افسوس اس رہِ مستقیم سے تو بھٹک رہا ہے  
ملاں اس بات پر ہے مجھ کو کہ عمر گزری گناہ بن کر  
نہ جانے کیا حال حشر میں ہو، یہ خوفِ دل میں کھٹک رہا ہے  
گھٹا ہوا نامہ عمل ہے۔ باپ ہے محشر، وہ سامنے ہیں  
زبانِ ساکت، نظر پریشاں، خمیدہ سر، دل دھڑک رہا ہے  
ہزاروں گلے پر شبنم، ہزار دامن پہ اشکِ ٹپکیں  
نہ بچ سکے گا وہ شعلہٴ غم، جو دل میں اپنے بھڑک رہا ہے  
سکوں میسر نہ شادمانی۔ فسوغ حاصل نہ کامرانی  
امیدِ دل میں تڑپ رہی ہے خیالِ سر میں پھڑک رہا ہے  
زہے یہ ہنگامِ ناز و غمزہ، خوشایہ وقتِ نیازِ عاجز  
ادھر وہ پردہ اٹھا رہے ہیں ادھر مرادِ دل دھڑک رہا ہے

# سُورَةُ بَقَرَةَ

(قسط ۱۱)

قبر میں رکھتے ہی دوڑاؤ نے فرشتے "مُنْكَرٌ" اعتبار کرنے، جائزہ لینے اور ان کو چیک کرنے کے لیے قبر میں آدھکتے ہیں : فاذا انصرفوا اناہ ملكان فيقولان له ما كنت تقول في هذا الرجل محمد (صحيحين عن انس) انا ملكان اسودان اذقان يقال لاحدهما المنكر وللآخر النكير مجمع الفوائد - البرهري

مذاذہ ستر ہزار فرشتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر نازل ہوتے ہیں، اس کو گھیر کر جھومتے اور قربان ہوتے ہیں اور آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ جب شام پڑتی ہے قریہ چلے جاتے ہیں اور دوسرے آ جلتے ہیں، تا قیامت یہ سلسلہ جاری رہتا ہے : ما من يوم يطلع الا نزل سبعون الفا من الملائكة حتى يحفوا بقبر النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فيسربون اجنتهم ويصلون على النبي صلى الله تعالى عليه وسلم حتى اذا افسوا عرجوا وهبط مثلهم فصنعوا مثل ذلك حتى اذا انشقت عنه الارض راحا منى عن كعب فرشتوں کی ایک جماعت گھومتی پھرتی رہتی ہے، درود پڑھنے والوں کے درود سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک پہنچاتے ہیں۔ ان ملائکہ سبعین یبلغون عن امتی السلام (بخاری عن ابن مسعود)

جو ایک بار بھی حضور پر درود پڑھتے ہیں اللہ اور اس کے فرشتے ستر بار اس پر صلوٰۃ کرتے ہیں و من صلی علی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واحد صلی اللہ علیہ وسلم مائیکۃ سبعین صلوٰۃ۔ (رواہ احمد عن ابن عمر و فی رواية عشر)

حج کے دنوں میں عرفہ کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سانچے جلوہ گر ہوتے ہیں اور اپنے حاجیوں پر نازل کرتے ہیں، انہ یجعل ثوبا یبھی بعد الملائکۃ (مسلم عن عائشہ) مزید اس کے ارشاد ہوتا ہے

کہ یہ لوگ پوری رغبت کے ساتھ میرے حضور حاضر ہوتے ہیں، میں نے ان کی سب دعائیں قبول کر لیں۔  
یا ملئکتی! عبادی وقنوا فی الرغبة والطلب فاشهد کما فی قداجبت دعائهم الحدیث رانس۔  
مجمع الفوائد) ان الله تطول علی اهل عرفات یباہی بهم الملائكة یعول: ملائکتی: انظر ما الی  
عبادی تسعنا غیرا قبلوا یضربون الی من کل فج عیت فاشهد کما فی قداجبت دعائهم الحدیث (الضیاء)  
جن گھروں میں تصویریں ہوتی ہیں وہاں فرشتے نازل نہیں ہوتے: ان البیت الذی فیہ الصور لا  
تدخله الملائكة (صحاح من عائشہ) جبرائیل علیہ السلام فرماتے ہیں، جس گھر میں کتاب یا تصویر ہوتی ہے ہم  
وہاں نہیں جایا کرتے: لاندخل بیتا فیہ کلب ولا صوۃ (مسلم۔ عن ابن عباس)

رفنا نہ فرشتے زمین پر اترتے ہیں، راہ حق میں خرچ کرنے والے کے لیے برکت کی اور کجوس کے  
لیے بے برکتی کی دعا کرتے ہیں: ما من یوم یصبح العباد فیہ الا ملکات ینزلان فیقول احدهما اللهم  
اعط منفعا خلفا ویقول الاخر اللهم اعط مسکاتلفا (صحیحین۔ ابوہریرہ)

جو شخص امام کے سمع اللہ لمن حمدہ پر فرشتوں کے ہم آہنگ ہو کر اللہ ربنا لک الحمد کہتا  
ہے، اس کے سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ من دافق قوله قول الملائكة غفرله ما تقدم  
من ذنبه (صحیحین۔ ابوہریرہ) ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سمع اللہ لمن حمدہ  
پر کہا ربنا لک الحمد حمدًا کثیرا طیبًا مبارکًا فیہ، تو آپ نے سلام کے بعد پوچھا یہ کس نے پڑھا ہے  
ایک صاحب بولے: حضور! وہ میں تھا، فرمایا: میں نے تیس سے زیادہ فرشتے دیکھے جو اس کو قلم بند  
کرنے کے لیے ایک دوسرے سے آگے نکلنے کی کوشش کرتے تھے دایت بضعة وثلثین ملکاً  
یبتدونہا ایہم یکتبہا اول (بخاری۔ دافعتا)

ملائکہ میں نمایاں اور عظیم ترین مقام، حضرت جبرائیل، حضرت میکائیل اور حضرت عزرائیل علیہم الصلوٰۃ  
والسلام کا ہے۔ جبرائیل امین کا تعلق وحی الہی سے، جس پر قلب و نگاہ کی حیات طیبہ کا دار و مدار ہے  
میکائیل کا تعلق اس بارانِ رحمت سے ہے، جس سے زمین، نباتات اور حیوانات کی حیات وابستہ  
ہے اور حضرت اسرافیل کا تعلق اس نفعِ صور سے ہے، جس پر حیات بعد الممات کا انحصار ہے۔  
(آغاخانہ اللہگان مکتبہ)

ان میں بھی معزز ترین حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ قرآن نے ان کی یہ صفات بیان  
کی ہیں:  
وہ رب کا رسول ہے، خدا کے ہاں بڑا مکرم و محترم ہے، صاحبِ قوت، مقرب اور بلند مرتبہ



ہستی ہے، آسمان میں وہ قائد اور مطاع ہے اور وحی الہی کے سلسلے میں قابلِ اعتماد امین فرشتہ ہے۔ اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ذِي قُوَّةٍ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُطَاعٍ ثَمَّ امِينٍ (تکویر)

اسلام میں ایمان بالملائکہ ایمان کا پانچواں رکن ہے۔ یعنی یہ یقین رکھنا چاہیے کہ یہ خدا نہیں ہیں، خدائی اختیارات اور تصرفات کے مالک نہیں ہیں، وہ اس کے محترم اور مکرم غلام ہیں اور آسمان زمین میں جو تدبیر الہی ہوتی ہے، اس کے یہ وسائل مگر ان اور امین خدام ہیں، خدا کی حمد و ثنا اور طاعت ان کی غذا ہے، خدا کے بیٹے، بیٹیاں یا دیوتا اور دیویاں نہیں ہیں۔ وہ سفلی جذبات اور احساسات سے نا آشنا اور بے خبر ہیں۔ ہاں قرب الہی کے سلسلے میں بہت ذکی الحس اور حریص ہیں اس لیے اس منزل میں جو بھی شے مانع ہو سکتی ہو اس سے ان کو سخت وحشت محسوس ہوتی ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ کا نظریہ ملا اعلیٰ

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۱۰۰ھ) نے ملائکہ کے سلسلے میں ملا اعلیٰ کے عنوان کے تحت بڑی دلچسپ بات کی ہے۔ من و عن اس کا پیش کرنا تو مشکل ہے، خلاصہ حاضر ہے، لیکن ان سب سے اتفاق کرنا بھی ضروری نہیں ہے۔ چونکہ یہ ایک نظریہ ہے اس لیے اس کا مطالعہ کر لیا جائے تو حرج بھی نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ:-

یہ ایک ایسی جماعت ہے جو اخلاک کے روحانی اور لطیف عناصر سے پیدا کی گئی ہے۔

انہما اقوام خلقوا من روحانیات الافلاک ولطائف العناصر رفعمیات الہیہ (۱)  
اعلوان الملاء الاعلیٰ جماعۃ مارت احجارہم البختۃ من التجلی الاعظم بمنزلۃ الاشعۃ

(الیاقوتیہ ص ۲۱)

اس جماعت کا نام الرفیق الاعلیٰ، السدی الاعلیٰ اور الملاء الاعلیٰ ہے۔

لیعبر عنہم باعتبار ذلک بالرفیق الاعلیٰ والسدی الاعلیٰ والملاء الاعلیٰ (رحمۃ اللہ ص ۱۲)

یہ بارگاہ الہی کی مقرب ہستیاں ہیں۔

ہم افاضل الملائکۃ ومقربوا الحضرة (رجۃ اللہ البانہ ص ۱۱)

حدیث میں اس جماعت کو ملا اعلیٰ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔

قال فیم یختصم الملاء الاعلیٰ (ایضاً ص ۱۱)

ان کا خیال ہے کہ ملا اعلیٰ کی جماعت میں انسانی نفوس قدسیہ بھی شامل ہو جاتی ہیں، جیسا کہ حضرت

جعفر بن ابی طالب کا ذکر آیا ہے۔

وان الارواح افاضل الادیبیین دخول فیہم دعوایہم .... وقال رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم رایت جعفر بن ابی طالب .... یطیر فی الجنة مع الملائکة (حجة البالغہ ص ۱۲)

اس لیے فرماتے ہیں کہ ملا اعلیٰ کی تین قسمیں ہیں :-

۱۔ نشان حق، اس پر خیر و خوبی کا نظام قائم ہے، وہ محض نور سے بنائے گئے ہیں جیسے نارِ موسیٰ و علم

الحق ان نظام الخیر یتوقف علیہم فخلق اجاماً نوریۃ بمؤلفۃ نارِ موسیٰ (حجة اللہ البالغہ ص ۱۲)

۲۔ وہ لطیف بخارات جو مختلف عناصر کے امتزاجات سے ابھرے جو خاص استعداد کے حامل ہوتے

ہیں۔ وہ تلوثیات بہیمیہ سے پاک ہوتے ہیں اور نفوس قدسیہ کا مسکن ہوتے ہیں۔ وقسم اتفق حدث

مزاج فی البقارات اللطیفۃ من العناصر امتزج فیضان نفوس شاحقۃ شہداء الرضی لا لول

البہیمیۃ (ص ۱۳)

۳۔ صاحب اخلاص و نیرتہ خصال اور محنین، جو سدا حق تعالیٰ کی طرف رجوع رہتے ہیں۔ مرنے کے بعد

ان کی رو میں بھی انہی میں جا شامل ہوتی ہیں۔

وقسم هو نفوس انسانیۃ قرینۃ الماخذ من الملائۃ الاعلیٰ .... وعدت منهم (ص ۱۴)

مؤخر الذکر کی مثال شیخ عبدالقادر جیلانی ہے کہ بعد از وفات ملا اعلیٰ کی شکل اختیار کر گئے تھے۔

ان المشیخ عبدالقادر .... اندلعات صابہیۃ الملائۃ الاعلیٰ (تفہیمات الہیۃ ص ۱۵)

ان مقربین کی رہائش گاہ کا نام حظیرۃ القدس ہے: گویا یہ ان کا اسمبلی ہال ہے، جہاں وہ

ابن آدم کی فلاح اور صلاح کی سوچتے اور طے کرتے ہیں: ان کے انوار ایک دوسرے سے مل کر ”الروح

(جبرائیل) کے لیے بمنزلہ ہالہ ہوتے ہیں، بس اسی الروح اور ملا اعلیٰ کے مجموعہ کے مسکن کا نام ”حظیرۃ القدس“

ہے اور الروح کی صدارت میں ملا اعلیٰ کے اس دائمی اجتماع کا نام ”تائید القدس“ ہے۔

وافاضلہم لتجتمع انوارہم وتداخل نیما بینہم عند الروح الذی وصفنا لنبی صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وسلم بکثرة الوجہ والاسنۃ .... وتسمى حظیرۃ القدس ورجاء صل فی حظیرۃ القدس

اجماع علی اقامۃ حیلۃ نجات نبی آدم .... ویسمی اجتماعہم المسمی بتائید روح القدس رحمة اللہ ص ۱۶

تفہیمات ص ۱۷ میں اس کی تعبیر اس سے مختلف ہے۔ ہاں ماصل تقریباً ایک ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ ملا اعلیٰ ”میں سے بعض کو جب عوام دیکھ لیتے ہیں تو بول لٹتے ہیں یہ تو خدا ہے

حالانکہ وہ اس کا جبر ہے جو اس کے حکم سے ذرہ برابر سرتابی نہیں کر سکتا۔

نیقل ماہذا البشراں ہذا الا الہ کریم والحق انہ عبد من الملائۃ الاعلیٰ ما مور لا یتطیع تحولا

ملا سافل، چونکہ ملائکہ کے بھی مختلف درجات اور مقامات ہیں، اس لیے آپ نے ملا اعلیٰ کے مقابلے میں ملا سافل کی بھی نشاندہی فرمائی ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ:-  
یہ ملا اعلیٰ جیسے تو نہیں ہوتے لیکن اپنی انفعالی استعدادِ صالح کی وجہ سے "اخذ فیضان" کا ملکہ خوب رکھتے ہیں۔

ودون هؤلاء نفوس استوجب فیضانها حدوث مزاج معتدل فی بخارات لطیفۃ لم تبلغ  
بہم السعادة مبلغ الاولین فصار کما لہم ان ٹکون فارغۃ لا انتظار ما یترشح من فوقھا الخ (مکتبہ)  
تفہیمات میں ان کا نام "الغصنوں" لیا ہے (مکتبہ) ملا اعلیٰ کے نیچے ملا سافل کے درجے کئی ایک ہیں۔  
وہکذا اختیصل الی حضیۃ القدس (تفہیمات مکتبہ)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس سلسلے میں کافی کلام کیا ہے، لیکن جہاں آپ کا اندازہ محدثانہ ہے، لائق مطالعہ ہے، لیکن جہاں اس کا رنگ حکیمانہ یا متصوفانہ ہے، وہاں اس سے "پرہیز" اولیٰ، الالہیہ — حضرت شاہ صاحب نے اپنی کتابوں میں صوفیاء، متکلمین اور فلسفیوں کی کج بینی، لن ترانیاں اور بے کتاب "موشگافیوں" کے بچے ادھیڑ ڈالے ہیں۔ لیکن افسوس! خود اس سے پرہیز نہیں کر سکے، اس لیے ان کی تفہیمات، خیر کثیر، بدور بازغہ انفس العارفین، ہمعات اور فیوض الحرمین جیسی کتابوں کا مطالعہ کرتے ہوئے "محدث" دہلوی کا پہچانا ہمیں سخت مشکل ہو رہا ہے، اس لیے ہمارے اکابر کا کہنا ہے کہ ہمیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے دلچسپی ہے حکیم اور صوفی منش بزرگ سے نہیں۔ ہماری آرزو ہے کہ آپ کی وہ باتیں جو کتاب میں نہ سنت "محض ہندی حکیم الامتہ" کی وجہ سے دین بنتی جا رہی ہیں۔ دین نہ بننے پائیں — وما ذلک علی اللہ بعزیز۔ اس سے غرض ان کی عظیم خدمات کی تحقیر یا قدرنا شناسی نہیں ہے بلکہ ہم نے آپ کے فلسفیانہ اور متصوفانہ بعض غلط کی بات کی ہے۔ اصل میں ساری خرابی آپ کی تفہیم میں ہے کیونکہ تفہیم دین کے لیے آپ نے جو طرح ڈالی ہے، بیشہ حصا س کا "اشمہا اکبدر من نفعہما" کے قبیل سے ہے۔ ہو سکتا ہے اس سے دماغ کو کچھ غذا ملے ہو جائے، دل کے لیے ہر حال کچھ زیادہ مفید نہیں ہے۔ حجتہ اللہ نسبتہ مفید ہے لیکن ان مباحث کے سوا جو ملا اعلیٰ وغیرہ مضامین سے تعلق رکھتے ہیں۔



# إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں (اپنا ایک) نائب بنانے والا ہوں

اے جَاعِلُ (بنانے والا۔ فاعل (کرنے والا) جاعل اور خالق مفہوم کے لحاظ سے تقریباً تقریباً دونوں ایک ہیں؛ اس لیے دوسرے مقام پر جاعل کے بجائے خالق آیا ہے۔ اِنِّي خَالِقٌ لِّبَشَرٍ اَلْمَجْرُوعِ۔ پتہ ۷) ہاں جَاعِلُ، خَالِقُ سے تدریجاً عام ہے، جاعل میں خلق موصوفہ برصفت ہوتا ہے۔ مثلاً اسی مقام پر کہ: میں بنانے والا ہوں، جو موصوفہ بہ خلافت ہوگا۔ ان الجاعلیۃ اعم من الخالقۃ فان الجاعلیۃ ہی الخالقۃ وشیء اخر وہو ان یخلقه موصوفاً بصفة الخلافة (الزلاطین علی الجلالین)

جَعَلَ (بنانا، مقرر کرنا) دو قسم کا ہوتا ہے ایک تکوینی، دوسرا تشریعی — تکوین کا تعلق "خلق" سے ہے کہ نیت سے بہت کرتا ہے۔ جب جاعل کے معنی فاعل کیے جائیں گے تو اس وقت تخلیق کے بجائے تجویز کے معنی ہوں گے کہ ہم اسے یہ حیثیت دینے والے ہیں۔ واللہ اعلم۔ جو معاملہ اس درجہ میں رہتا ہے، بندہ اس کی جواب دہی سے آزاد ہوتا ہے، کیونکہ یہ بات بشری طاقت سے پرے ہے۔ تشریح کا تعلق دینی حکم اور تجویز سے ہے، یعنی یہ کہ بندہ کو کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں، انسان کی فلاح اور صلاح اس میں ہے، اس میں نہیں، رب ان باتوں سے خوش ہوتا ہے اور ان سے ناراض۔ یہ بات بندوں سے متعلق ہے، اس لیے اس کی ان سے باز پرس بھی ہوگی اور اس کے اچھے یا برے نتائج بھی ان کو بھگتنے پڑیں گے۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی — کیونکہ یہ سب امور انسان کے بس میں ہیں اگر وہ ان کی تعمیل کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ یہی مفہوم اور تقسیم مندرجہ ذیل قرآنی الفاظ کی ہے۔ قضاء، حکم، اعادة، کتابت، امر، اذن، کلمات، بعث، ارسال، تحریم، ایتاد اور انشاء۔ کہ ان میں سے ہر ایک تکوینی بھی ہے اور تشریعی بھی — ان کے تکوینی حصے سے بندوں کا کوئی تعلق نہیں ہاں تشریعی کے وہ مندرجہ جواب دہ ہیں، اس فرق کو ملحوظ نہ رکھنے کی بنا پر حق تعالیٰ کے سلسلے میں بڑی بڑی بدگمانیوں نے جنم لیا ہے اور مخالفین کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ اسلام کو بدنام کریں۔

قضاء۔ اس کے معنی فیصلہ کرنے کے ہیں، ایک فیصلہ اور اس کا نفاذ تکوینی ہے کہ، بس اس نے جو چاہا کر دیا۔ اس خدائی فیصلہ سے انحراف کسی کے بس کا رنگ نہیں ہے۔ مثلاً فرمایا:

فَاِذَا جَاءَ اَمْرًا لِلّٰهِ فُتِّحَ بِالْحَقِّ رِیْطًا۔ (مومن ۷) (جب حکم خدا آمو جو ہو تو برحق فیصلہ کر دیا گیا)

یہ وہ تکوینی خدائی فیصلہ ہے، جس کی تعمیل یا عدم تعمیل بندوں کے بس میں نہیں ہے، جب کوئی دھم لیا جاتا ہے تو اس سے یہ باز پرس نہیں ہوگی کہ غیر کیوں اس کی زد میں آئے یا اس سے کوئی بھاگتا تو بھاگ سکتا اور پھر خدا اس سے باز پرس کرتا کہ تم کیوں بھاگ گئے۔ بلکہ یہ اٹل بات تھی جو ہو کر رہی اور ہو کر رہتی ہے۔

وَقَضَىٰ ذَٰلِكَ أَنْ لَا قُصْدَ وَلَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا (پٹ۔ بنی اسرائیل ۷۶) اور آپ کے رب نے یہ حکم قطعی دے دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔

یہ فیصلہ اور قضا تشرعی ہے، غرض یہ ہے کہ یہ اللہ کا فیصلہ اور قضا ہے کہ ایسا کیا جائے، اگر کوئی نہ کرنا چاہے تو عدم تعمیل بھی اس کے بس میں ہے۔ ہاں اس کے نتائج (جزا اور سزا) اس کے بس میں نہیں رہیں گے۔ اگر یہ فیصلہ تکوینی ہوتا تو عدم تعمیل انسان کے بس کی بات نہ ہوتی، اسے ایک طبعی تقاضے اور خلقی انداز میں لازماً کرنا پڑتا اور عبادت ہی اس سے صادر ہوتی۔

حکو۔ یہ بھی دو قسم کا ہوتا ہے، تکوینی جس کا تعلق محض تخلیق اور تقدیر الہی سے ہے؛ مثلاً  
إِنَّ اللَّهَ قَدْ حَكَمَ بَيْنَ الْعِبَادِ (پٹ۔ مومن ۷) اللہ کو اپنے) بنیوں کے بارے میں  
(جو کچھ) حکم دینا تھا وہ چکا۔

یہ حکم تکوینی ہے جس سے سرتابی ناممکن ہے۔

ذَٰلِكُمْ حُكْمُ اللَّهِ دِيحْكُمُ بَيْنَكُمْ (پٹ۔ مستحذ ۷) یہ اللہ کا حکم ہے جو تم لوگوں میں  
صادر فرماتا ہے۔

یہ تشرعی ہے، یعنی ہم نے اسے تمہارے لیے شریعت کا حکم بنا دیا ہے۔ ظاہر ہو چکا نہ کرنا ہر ایک کے بس میں ہے اور باز پرس بھی صرف اسی تشرعی حصہ کی ہوگی۔

اور اداۃ۔ یہ بھی تکوینی اور تشرعی ہوتا ہے مثلاً إِنَّ ذَٰلِكَ فَعَالٌ لِّمَا يُرِيدُ (پٹ۔ ہود ۷) ”بے شک“  
آپ کا رب جو چاہتا ہے کر گزرتا ہے۔ میں اپنے اسی تکوینی ارادہ کا ذکر فرمایا ہے: فَاللَّهُ يُرِيدُ  
أَنْ يُثَوِّبَ عَنْكُمْ (انشاء ۷) اللہ چاہتا ہے کہ تم پر مہر (کی نگاہ) رکھے۔ میں تشرعی ارادہ کو بیان  
کیا گیا ہے کہ وہ یہ چاہتا ہے، اگر تم نہ چاہو تو یہ تمہاری مرضی ہے۔ ارادہ اور مشیت میں فرق ہے، خدا  
ارادہ نہ کرے تو بھی بندہ ارادہ کر سکتا ہے لیکن رب کی مشیت کے بغیر بندہ کی مشیت ممکن نہیں  
رہتی (منقولات)

کتابت۔ کتاب کے معنی لکھنے، حکم، فروری اور طے کرنے کے ہوتے ہیں: جو تکوینی ہے، وہ اٹل



ہے، اس کا خلاف کسی کے لیے بھی ممکن نہیں اور اس کی جواب دہی بھی انسان کے بس سے پرے ہے: مثلاً یہ حکم تکوینی ہے، کوئی شخص شیطان سے دوستی رکھ کر گمراہ نہ ہو، ممکن نہیں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ (پٹ۔ العج ۷) اس کی نسبت یہ لکھا جا چکا ہے کہ جو اس کی رفاقت کرے گا وہ اسے گمراہ کر دے گا۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتْلَامُ (بقرہ۔ ۷) تم پر رونے فرض کر دیے گئے ہیں۔ یہ تشرعی ہے۔

امور۔ ایک تخلیقی اور تکوینی ہوتا ہے، دوسرا آئینی اور تشرعی، مثلاً إِنَّمَا أَمْرٌكَ إِذَا أَدَّيْتَنَا أَنْ يَفْعَلُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ (پٹ۔ یس ۷) اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو بس وہ اس سے اتنا فرما دیتا ہے کہ ہو جاتا وہ ہر جاتی ہے۔

خدا کا یہ وہ امر ہے، جو اٹل ہوتا ہے، کسی سے پوچھ کر نہیں کرتا اور جب کر لیتا ہے تو کسی کے لیے اس سے مفر ممکن نہیں رہتا کیونکہ یہ تکوینی ہے اور تشرعی یہ ہے۔  
إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (سعدہ نحل ۷) بے شک اللہ تعالیٰ عدل اور نیکی کا حکم دیتا ہے۔

اذن۔ اجازت، ارادہ اور حکم اس کے معنی ہیں، تکوینی یہ ہے: وَمَا هُمْ بِضَآئِرِينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ (پٹ۔ بقرہ ۷) حالانکہ بے حکم خدا اپنی ان باتوں سے کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔  
تشرعی یہ ہے: أَمَّا نَعْمُ فَشُرَّكُمْ شُرًّا شَرًّا سَمِعْتُمْ مَوَاعِدًا مِنْ الدِّينِ مَا لَمْ يَأْذِنَ بِهِ اللَّهُ (پٹ۔ شعری ۷) کیا ان لوگوں نے خدا کے شریک (بارکھے) ہیں اور انہوں نے ان کو دین کا راستہ کھڑا دیا ہے، جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

کلمہ۔ وعدہ، حکم، فیصلہ اور بات اس کے معنی ہیں: تکوین کی مثال لَكَ حَقَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ (سورۃ ص ۷) اسی طرح (ان) کافروں پر (بھی) آپ کے رب کا فرمان صادق آچکا ہے۔

وَصَدَقَتْ رِكَابُ رَبِّكَ وَكُتِبَ (پٹ۔ التہیم ۷) اور وہ اپنے رب کے کلام اور کتب کی تصدیق کرتی رہی۔ یہ تشرعی حکم ہے۔

بعث۔ بھیجنا، کھڑا کرنا، زندہ کرنا، ابھارنا، عدم سے وجود میں لاتا، جگا کر اٹھانا اس کے معنی ہیں، تکوین کی مثال یہ ہے۔

فَإِذَا جَاءَ دَعْدُ أُولَٰئِكَ بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولَىٰ بَأْسٍ شَدِيدٍ (پٹ۔ بنی اسرائیل ۷) تو جب ان میں پہلے (فساد) کا وقت آیا تو ہم نے تمہارے مقابلے میں اپنے لیے بندے اٹھا

کھڑے کیے جو بڑے سخت گیر تھے۔ تشریحی کی مثال یہ ہے کہ **بُئِتَ فِي الْأَمِينِ رَسُولًا مِنْهُمْ رِبًّا**۔ جمعہ وہی تو ہے جس نے جاہلوں میں، ان ہی میں سے رسول بھیجا۔  
**اور سال**۔ بھیجنے، منہر کر کے بھیجنے، باختیار اشخاص کو بھیجنے، کسی پر چھوڑ دینے وغیرہ اس کے معنی ہیں۔ تکوینی؛

إِنَّا أَرْسَلْنَا الشَّيَاطِينَ عَلَى الْكَافِرِينَ تَوَذُّعُهُمْ أَزًا رِبًّا۔ (مربیع)

ہم نے شیطانوں کو کافروں پر چھوڑ رکھا ہے کہ وہ ان کو اکستے رہتے ہیں۔  
**تشریحی شکل یہ ہے۔**

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى رِبًّا۔ (توبہ ع)

وہی (ذات پاک) ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت دے کر بھیجا۔

**تحویم**۔ اس کے معنی، منع کرنے کے ہیں، یہ ممانعت تسخیری ہو یا جبری، عقلی ہو یا شرعی۔

تسخیری اور جبری تکوینی ہے؛ **حَرَّمْنَا عَلَيْكَ الْمَرْأَةَ رِبًّا**۔ (قصص ع) اور ہم نے (حضرت موسیٰ) پر (اناؤں کے) دودھ بند کر دیے تھے۔ **فِي نَحْمَا مُحَرَّمَةً عَلَيْهِمْ أَدْبَعِينَ سَنَةً رِبًّا**۔ (مائتہ ع)

اچھا تو وہ ملک چالیس برس تک کے لیے ان پر حرام کر دیا گیا۔ پہلی آیت تسخیری اور دوسری جبری کی مثال ہے۔

**تشریحی یہ ہے؛ حَرِّمْتُ عَلَيْكُمْ أَمْفَئِكُمْ وَبَنَتُكُمْ إِلَّا يَدَ رِبًّا**۔ (انسان ع) تم پر تمہاری مانیں اور بیٹیاں الایہ سب حرام کر دی گئی ہیں۔

**ایتساء**۔ خدا کی طرف جب منسوب ہوتا ہے تو اس سے اس کے حکم کا علانافذ ہونا مراد ہوتا ہے یہ تکوینی شکل ہے؛ مثلاً؛

فَإِنَّ اللَّهَ بُنِيَ نَحْمًا مِنَ الْقَوَاعِدِ (رِبًّا۔ النحل۔ ع) تو اللہ تعالیٰ نے ان کی عمارتوں کو جو بڑے تباہ کر دیا۔

**تشریحی؛ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ رِبًّا**۔ (الحشر ع) جو تمہیں رسول دے لے لیا کرو۔

**انشاء**۔ قرآن میں یہ ہمیشہ تکوین (ایجاد) کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **قُلْ هُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ** (رِبًّا۔ ملاح) وہ خدا ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا۔

**مشیت**۔ کسی شے کو پانا اس کے معنی ہیں، خدا کا پانا، چیز کے ہونے کو لازم کر دیتا ہے۔ یہ بھی

انشاء کی طرح صرف تکوینی حقیقت ہے، جس طرح محبت صرف تشریعی حقیقت ہے۔

ان الفاظ کی وضاحت کی ضرورت اس لیے پڑی ہے کہ بہت سے لوگ کہنے لگ جاتے ہیں کہ جو کچھ ہونا ہوتا ہے خدا خود کرتا ہے، ہمیں خواہ مخواہ اس کا الزام دیتا ہے۔ حالانکہ جہاں یہی کیفیت اور صورت ہے خدا وہاں بندوں سے اس کی باز پرس بھی نہیں فرماتا۔ اور جہاں باز پرس ہوتی ہے، وہاں انسان کے لیے اس کی حیثیت تشریح کی ہوتی ہے، شریعت اسے ہی بنایا جاتا ہے جو انسان کے اختیار اور پس میں ہو۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا الْأَدُسَّهَا۔

جعل۔ یہ بھی دو قسم کا ہے، تکوینی اور تشریعی۔ تکوینی کی مثال یہ ہے: إِنَّا جَعَلْنَا فِيهِ أَعْنَاقَهُمْ أَغْلَالًا رِطًّا۔ (یس ۷) ہم نے ان کی گردن میں (بھاری بھاری) طوق ڈال دیے ہیں۔ دیجعل السجود علی الذین لا یعقلون رِطًّا۔ (یونس ۷) اور (کفر و شرک کی) گندگی ان ہی لوگوں پر ڈالتا ہے جو ہوش سے کام نہیں لیتے۔

ہم اسے نزدیک: إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً میں بھی یہی جعل تکوینی مراد ہے تشریعی نہیں ہے جیسا کہ ابن کثیر کا کہنا ہے۔ ہاں مفسرین کی ایک عظیم جماعت اسے تشریعی جعل قرار دیتی ہے۔ وکل وجهہ۔

جعل تشریعی کی مثال یہ ہے: مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيَّةٍ وَلَا مَانِبَةٍ الْآيَةِ رِطًّا۔ (مائدہ ۷) اللہ نے بحیرہ اور سائبہ وغیرہ) مقرر نہیں کیا۔ (یہ مباحث زیادہ تر شفاء العلیل لابن قیم سے کچھ مفردات راغب اور ابن کثیر سے ماخوذ ہیں)

بہر حال مندرجہ بالا خدائی اصطلاحات ہیں، جہاں تکوین رکسی شے کو ایجاد کرنے، مسلط کرنے خلق کرنے اور نتائج کو مرتب کرنے) کے معنوں میں ان کو استعمال کیا گیا ہے وہاں خدا کو فی الزام نہیں دیتا کیونکہ وہ بجائے خود خدائی اختیارات کی بات ہے۔ اور جہاں تشریح (خدائی لائحہ عمل اور طرز حیات) کے معنی میں آئی ہیں وہاں جواب دہی کا بوجھ بھی بندوں کے کندھوں پر ڈال دیا گیا ہے اگر ان اصطلاحات کے اس فرق کو ملحوظ رکھ لیا جائے تو انشاء اللہ ذہنی الجھاؤ کے امکانات بہت کم رہ جائیں گے۔ بشرطیکہ کوئی از خود الجھاؤ پیدا کرنے کے موڈ میں رہنے پر مصر نہ ہو۔

ہے فِي الْأَرْضِ (زمین میں، زمین پر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے سوا اور جتنے سیارے، کتے اور طبق ہیں، ان میں تکوینی نظام تو موجود ہے، تشریعی نہیں ہے۔ آسمانی دنیا میں جہاں فرشتے مصروف تبسج و تقدیس یا کسی خدمت پر مامور ہیں ان کا رنگ خالصاً تکوینی اور طبعی ہے۔ تشریعی نہیں ہے کیونکہ



ولیا کرنے پر وہ مجبور اور مجبور ہیں۔ ان کا رنگ بالکل میٹھا مکی اور قدرتی ہے۔ (وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون میں بھی انسان اور جنوں سے مطلوب عبادت کا مطالبہ کیا گیا ہے مگر اس پر ان کو مجبور نہیں پیدا کیا گیا۔ کیونکہ یہ بات تشرعی ہوتی ہے مگر نبی نہیں ہوتی۔ ہاں دوسرے سیاروں یا آسمانوں میں قیادت تو ضرور موجود ہے، لیکن ویسے جیسے بجلی کا سوچ آف یا آن کرنے والی بات ہو کیونکہ وہاں جیسا کچھ ہوتا ہے وہ بے نظام تو نہیں ہے لیکن جتنا اور جیسا کچھ ہے وہ سرتا پائیکو مینی ہے، تشرعی نہیں ہے۔ اہل زمین میں سے جن کے لیے یہ تشرعی نظام اتنا راگید ہے، وہ بھی ان میں سے صرف انسان اور جن ہیں، ان کے علاوہ دوسری کسی جنس اور ذرع کو خطاب نہیں کیا گیا۔

تہ خَلِيفَةُ (جانشین، وارث، نمائندہ، ترجمان، نائب، بڑا بادشاہ، سردار) خلیفۃ کی جمع خلائف آتی ہے، خلفاء، خلیف کی جمع ہے خلیفۃ نہیں — (مفردات راغب خ ل م) یہاں پُر خلیفۃ کے نام کا ذکر کیا گیا ہے، دوسری جگہ اسے بشر سے تعبیر فرمایا ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خٰلِقٌۢ بَشَرًا دَبَّ - (الحجر ع)

کہیں اسے انسان کے نام سے یاد کیا ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ رَمْطًا - (مومنون ع)

اس کی متعدد شکلیں ہیں:

خلافت نسل انسانی۔ خدا نے کافی مدت تک انسان کو با اختیار، خلاق، ذی استعداد اور مجاز پیدا کیا ہے، زمین اور فضا میں اس کے منہر کر دی ہیں۔ بناؤ اور بگاڑ کا ملکہ رکھتا ہے۔ سرکشی اور اطاعت کی صلاحیت یکساں اس کو حاصل ہے۔ روئے زمین پر مہیب سے مہیب تر مخلوق کی موجودگی کے باوجود سرداری صرف اس کو حاصل ہے۔ آسمان اور زمین کا دسترخوان صرف ابن آدم کے لیے بچھا یا گیا ہے۔ چنانچہ بعد کے حالات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ: فرشتوں کے سامنے جو انسان پیش کیا گیا تھا، وہ یہی انسان تھا، جو امامت عامہ اور خاصہ دونوں کی خصوصیات اور ملکات کا حامل تھا۔ مَا خَلَقْتُ الْاِنْسَانَ اِلَّا لِيَعْبُدُنِي سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے کہ خدا کے سامنے پوری نوع انسان تھی، تنہا آدم نہیں تھا۔ بہر حال اسے خلافت نسل انسانی کہتے ہیں اور خلیفۃ سے یہی خلافت مقصود ہے، کیونکہ اس میں فساد و خو زیزی کا بھی ذکر ہے، اگر خلیفہ سے مراد خلیفہ برحق ہو، جس کے اہل نوز حضرت آدم علیہ السلام تھے تو فساد اور خو زیزی کی تبلیغ اور الزام بے معنی رہ جاتا ہے کہتے ہیں خلائف یا خلفاء کے بجائے خلیفہ کا ذکر اس امر کا ثبوت ہے کہ خلیفہ سے مراد

خلیفہ برحق تھے، اصل بات یہ ہے کہ اس وقت سب کے سب خلافت یا خلفاء نہیں بلکہ ان میں سے کسی ایک خلیفہ کو بنا کر پیش کیا جا رہا تھا۔ اس لیے خلافت یا خلفاء کے بجائے خلیفہ کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بقول علامہ راغب، خلیفہ دراصل خلافت کا واحد ہے، خلفاء کا نہیں، تو معلوم ہوا کہ یہاں وہ معنی مراد نہیں ہیں جو اصطلاحی خلیفہ کے معروف ہیں۔ جہاں یہ اصطلاحی خلیفہ مراد ہے، وہاں حکومت عدل کی قید کے ساتھ موجود ہے جیسے: **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّا جَعَلْنَا خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُوا بَيْنَهُم** (پہلا - ص ۷۲) اے وہ لوگو! ہم نے آپ کو زمین میں خلیفہ بنا دیا ہے، سو آپ لوگوں کے درمیان حق و انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا کریں! جہاں یہ قید نہیں وہاں باختیار سردار اور وارث کے معنی میں آیا ہے **هُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ وَدَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ لِّيُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ** (انعام - ص ۷۲) کہیں خلافت کے بجائے خلفاء بھی لایا گیا تو بھی معروف معنوں میں نہیں مثلاً: **وَإِذْ كُنَّا أَزْجَارًا وَكَانَ خَلْفَاءُ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ** (پہلا - ص ۷۲) اے بھائیو! وہ وقت یاد کرو جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا۔ **ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ** (یوسف - ص ۷۲) یعنی پھر ہم نے تمہیں ان کے بعد زمین پر خلیفہ بنایا۔ یہ سب کچھ کفار سے کہا جا رہا ہے ظاہر ہے وہ معروف معنوں میں خلیفہ نہیں تھے۔ بہر حال بعض اکابر نے خلافت نسل انسانی کا نام خلافت قدرت بھی رکھا ہے۔ اس لیے اگر کوئی صاحب اس کے معنی وارث اور سردار کرے تو وہ کر سکتا ہے۔ کیونکہ روئے زمین پر نیک و بد سے قطع نظر اگر بلا استثناء کسی کی سرداری کا ڈنکا بجتا ہے تو وہ صرف نوح انسان ہی ہے۔

کسی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا: مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو، میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول ہوں اور یہی میرے لیے بس ہے۔ (خلفائے راشدین ص ۷۲) سیرت الصحابة - بحوالہ استیعاب تذکرہ ابوبکر) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں معروف معنوں میں لفظ خلیفہ کا استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ صرف باختیار سردار کے معنی میں اس کو لایا گیا ہے۔ کیونکہ جہاں بھی اس قصے کو بیان کیا گیا ہے، وہاں کسی قسم کی تشریح کا ذکر نہیں ملتا۔ ابن کثیر بھی اسی نظریے کے قائل ہیں۔ **أَيُّ تَوْحِيدًا يَخْلَفُ بَعْضُهُمْ بَعْضًا قَرْنًا بَعْدَ قَرْنٍ وَلَيْسَ بَعْدَ لَيْلٍ ..... وَيَسِي الْمَرَادُ هَهُنَا بِالْخَلِيفَةِ** آدم علیہ السلام فقط الخ (تفسیر ابن کثیر)

**خَلَائِفَةُ رَسُولَاتٍ** - دوسری خلافت، خلافت رسالت اور نبوت ہے، یہ خلافت تشرعی ہوتی ہے تکوینی نہیں ہوتی۔ نوح انسان کو بطور خلیفہ جو ممکن اور قدرت حاصل ہے، اس کو کنٹرول کرنے اور واصل بحق رکھنے کے لیے تشرعی خلافت (خلافت رسالت) کا سلسلہ جاری کیا گیا ہے، تاکہ نوح انسان اپنے



اختیار کو غلط استعمال نہ کرے اور بے گناہ ہو کر اسی دور نہ بھاگ جائے کہ خدا کی کائنات میں رہ کر خدا سے بھی دور جا پڑے۔ **يَتْلُوا عَلَيْهِمْ مَا يَتْلُو وَ يَزِيدُ لَهُمْ وَلِيْعَلَّ لَهُمْ كِتَابٌ وَالْحِكْمَةُ (پٹا - جمعہ غ)** معاملات میں آپ پیغمبر خدا سے اپنا مشورہ ذکر کر سکتے ہیں، لیکن اس پر اصرار یا اس کی مزاحمت کرنا شرعاً ممنوع ہوتا ہے۔ **كَلِمَاتٍ بِالَّذِينَ يَخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ (پٹا - نوغ)** خلافت رسول۔ اس سے مراد، رسول کی جانشینی ہے، جس کو قرآنی زبان میں **أُولَ الْأَمْرِ** بھی کہتے ہیں، اس سے غرض مقاصد نبوت کا تحفظ، استحکام اور نشرو اشاعت ہوتی ہے، ایسی خلافت **الْخِلَافَةُ عَلَى مَنَاجِجِ النَّبِيِّ** کہلاتی ہے، اسے شرعی اختیارات حاصل نہیں ہوتے۔ وہ صرف کتاب و سنت کی ہدایت بار مشعلوں کی روشنی میں کاروبار حکومت کا سفر جاری رکھنے کی مجاز ہوتی ہے۔ معروف میں اس کی اطاعت اور منکر میں اس کے سامنے کلمہ حق کہنا دینی فریضہ ہوتا ہے۔ خلفاء سے نزاع اور اختلاف ممکن ہے لیکن قاطع نزاع کتاب و سنت ہوں گی۔ **فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَاللَّهُ سَلِيحٌ (پٹا - النساء غ)** بشرطیکہ اس سے ملت اسلامیہ کی وحدت کو نقصان نہ پہنچے اور اس سے افتراق و انشقاق کے امکانات ابھرنے نہ پائیں۔ **وَلَا تَنَازَعُوا فَعَتَشَلُوا وَتَذْهَبَ رِيْعَلْ (پٹا - انفال غ)** گوا اختلاف اور نزاع کے گھونٹ بڑے کڑھے ہوتے ہیں تاہم حکم یہ ہے کہ تلخ گھونٹ بہر حال نوش کرو۔ **وَاصْبِرُوا وَاصْبِرُوا (پٹا - انفال غ)** خلافت ابوت۔ اس سے مراد بیٹے کا باپ کا وارث ہونا ہے۔ گویا کہ باپ کی وفات کے بعد بیٹا اس کا جانشین ہوتا ہے۔

خلافت بیعت۔ خلافت کی یہ نوع صوفیاء کی ایجاد ہے، قاضی عبدالنبی احمد نگر نے جامع العلوم الملقب بدستور العلماء میں **جوامع الکلم** اسی کی خاصی تفصیل نقل کی ہے اور اسی خلافت کا نام خلافت کبریٰ بتایا ہے، یعنی ان کے نزدیک اسلامی حکومت خلافت صغریٰ ہے اور مرشد کی طرف سے مرید کے لیے بیعت، رشد و ہدایت اور تزکیہ و طہارت کے مجاز ہونے کا نام خلافت کبریٰ ہے۔ یعنی برعکس نام ہندو ننگی کا فور۔ بہر حال اس خلافت کبریٰ کا سلسلہ وہ بواسطہ حنین اور حسن بصری اور حضرت کبیل بن زیاد کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تک پہنچاتے ہیں۔ ان میں سے حضرت حسن بصری کا سلسلہ زیادہ معروف ہوا ہے لیکن جہور محدثین کے نزدیک حضرت علیؑ سے حضرت حسن بصریؒ کا سماع ثابت نہیں ہے۔ اگر ہو بھی تو بھی ان سے مصطلح تصوف کا ثبوت مشکل ہے۔ دراصل جب سلمان حکمرانوں نے تبلیغ اور تزکیہ و طہارت کی ذمہ داریوں سے آنکھیں پھیر لیں تو اس وقت اہل دل بزرگوں نے، پرائیویٹ حیثیت میں تعلیم و تربیت کے مرکز تخلیق کیے تاکہ خلق خدا کا تعلق خدا سے قائم رکھنے کی کوئی سبیل بنی ہے۔ چونکہ حکمران

اس قسم کی تحریکوں سے عموماً بدظن بھی ہو جاتا ہے، اس لیے انھوں نے بزرگوں کے مقابر کے آس پاس تربیت گاہیں تعمیر کیں، وہاں سے جاہل دل علما رتیا رہتے، ان کو بعض علاقے الاٹ کر دیے جاتے اور وہ وہاں جا کر رشد و ہدایت کے ذریعے عوام کی خدمت کرتے، غوث، قطب، ابدال، ولی وغیرہ ان کے عہد کے نام تھے۔ دنیا مجبوراً پسند اور اہم پرست نہ یادہ ہوتی ہے، اس لیے بعد میں یہ سلسلے بجائے خود عوام کے لیے فتنہ بن گئے، خاص کر لوگوں نے اس خلافت پر فضاغت کر لی اور اس خلافت غلطی کی طرف سے بے حس ہو گئے جو دراصل سب روگوں کی واحد و واقعی یعنی خلافت راشدہ سے۔ گو یہ سب کچھ بہ امر مجبوری ہوا تاہم اَللّٰہُ اَعْلَمُ اِنَّہٗ ہُوَ اَدْنٰی بِالْاَسْنٰی ہُوَ خَیْرٌ پڑتی ہو۔ اب تو افسوس کہ یہ بھی باقی نہیں رہا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُونَ۔ مذربہ بالا آیت میں جس خلافت کا ذکر ہے وہ پہلی ہے، باقی رہی دوسری؛ سرودہ کا روانِ حیات کے لیے بانگ جس کی حیثیت رکھتی ہے یا سفرِ حیات میں راہی اور مسافروں کی رہنمائی کے لیے شعلیں اور رنگ میل جو ان کو محفوظ رکھیں گے وہ منزلِ پالیں گے مرنے جھٹک جھٹک جائیں گے۔ گویا کہ نسلِ انسانی کی افادہ حیثیت کا دار و مدار انہی شعلوں پر ہے۔ حاصلِ آیت۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ایک ایسی ہستی کی تخلیق کا ذکر فرمایا جو براہِ اختیار برا ارادہ اور تخلیقی صلاحیتوں کی حامل ہوگی۔

ہم نے اس کا ذکر اس لیے کیا کہ اپنے مقام و مرتبہ کا احساس کریں اور خدا کا احسان مانیں۔ اور فرشتوں سے اس کا ذکر اس لیے فرمایا کہ:

ان کے بجائے اب کائنات میں چودھری انسان ہوگا اور یہ ان کے خادم اور معاون۔ صورتِ حال کی اس تبدیل سے ان کو آگاہ کرنا ضروری تھا۔ آیت کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ: اللہ تعالیٰ نے ان سے مشورہ نہیں لیا بلکہ اپنے فیصلہ سے ان کو آگاہ کیا ہے، کیونکہ اس سلسلے کے کچھ کام ان سے بھی متعلق تھے۔ چونکہ یہاں ایک خلیفہ، منتظم اور مدبر کی حیثیت سے انسان کی تخلیق کا ذکر کیا گیا ہے، اس لیے اس کی مادی تخلیق کی تفصیل سے ہم نے یہاں بحث نہیں کی۔ جہاں اس کا ذکر آئے گا، وہاں اس سلسلے کی قابل ذکر تمام تفصیلات کو بھیجا کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ تفسیر و تعبیر کی یہ طوالت غالباً آٹھ دس پاروں تک زیادہ تر رہے گی، پھر امید ہے، کافی کم ہو جائے گی۔ کیونکہ اکثر اہم موضوع اور مباحث ختم ہو جائیں گے، اور ہو سکتا ہے کہ باقی پاروں کی تفسیر کی ضرورت بھی باقی نہ رہے۔ غرض یہ ہے کہ جو مباحث قرآن میں مختلف مقامات میں مختلف اسلوب سے بیان کیے گئے ہیں انھیں یک جا ترتیب کر دیا جائے تاکہ اس سلسلے میں قاری کو فائدہ پورا ہو۔ (مسل)



# مسئلہ ریت ہلال، ادلہ شرعیہ کی روشنی میں

آج کل ”وحدت عید“ کا جو خیال، جدید ذہن کے بہت سے لوگوں میں ابھر رہا ہے۔ افسوس! بہت سے سمان ملک بھی اس سے متاثر ہو رہے ہیں۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی (مکہ مکرمہ) کے بھی ایک اجلاس میں ایک مضمون کی قرارداد پاس ہوئی تھی کہ چاند کی رویت کی تعیین آلاتِ رصد کے ذریعے کر کے پورے عالم اسلام میں ایک ہی دن روزے رکھنے اور عید منانے کا فیصلہ کیا جائے۔ اس قرارداد پر نجد کے ایک عالم نے جو اس اجلاس میں بطور رکن شریک تھے غافلانہً نقد کیا، اس مسئلے کی شرعی حیثیت کی وضاحت فرمائی اور تبیان الادلہ فی اثبات الاہلہ کے نام سے اس کو شائع کر دیا ہے۔

اسی کتابچے کا ترجمہ ہمارے فاضل و محترم دوست مولانا محمد رفیق صاحب نے کیا ہے جس پر ہم ان کے ممنون ہیں۔ (الاعتصام) آج حب و مدہ ہم جناب شیخ کے نقد کا اردو ترجمہ ہدیہ قارئین کر رہے ہیں۔ (محدث)

سب تعریف اللہ کے لیے ہے جس نے سورج کو روشن اور چاند کو منور فرمایا اور اس کی منازل متعین کیں تاکہ تم سالوں کی گنتی اور حساب جان سکو، میں یقین و بصیرت سے شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا نہ کوئی معبود ہے نہ اس کا کوئی شریک، اور میں شہادت دیتا ہوں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، جو انبیاء میں افضل ترین ہیں اور جن پر بہترین کتاب نازل ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وَاٰحِبَّاهُ وَمَنْ تَابَعَهُمُ بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّینِ وَسَلَامٌ قَلِیْمًا کَثِیْرًا دَعَوٰی خطبہ کتاب کا ترجمہ

شعبان ۱۴۹۱ھ کا واقعہ ہے کہ رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیسی نے اپنے تیرھویں اجلاس میں جو کہ مکہ مکرمہ میں ہوا چند قراردادیں پاس کیں۔ ایک قرارداد میں کہا گیا کہ تمام اسلامی ممالک میں رویتِ ہلال کا ایک ایسا نظام بنایا جائے کہ اگر مغرب یا ایران میں چاند نظر آجائے تو دنیا کے تمام مسلمانوں



کے لیے فرمادی ہو کہ اسی رویت کی بنا پر سفند سے رکھیں اور افطار کریں۔ قرار داد میں یہ بھی طے پایا کہ رابطہ کائیکرٹریٹ تمام سربراہانِ مالک اسلامیہ سے رابطہ قائم کرے اور ان سے اس پر عمل درآمد کے لیے کہے کیونکہ یہ ایک شرعی تقاضا ہے۔ اس کے اختتامی جلسہ میں میں بھی شریک تھا۔ جب یہ قرار داد پیش ہوئی میں نے اس سے اختلاف کیا اور کہا کہ یہ نظریہ نہ تو احادیث صحیحہ کے ساتھ مطابقت رکھتا ہے نہ محققین علماء (حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ، حنبلیہ) کے مالک ہی اس کے موافق ہیں۔ پھر جدید علم ہیئت اور جغرافیہ سے بھی یہ نظریہ متضاد ہے۔ اگرچہ مجلس کے بعض اراکین کے اس نظریہ کی ہمنوائی میں بعض علماء کے اقوال ملتے ہیں مگر دلائل عقلی و نقلی ان کی تائید نہیں کرتے۔ اس کی عدم صحت بدیہی ہے جیسا کہ ابھی اس کی وضاحت آپ کے سامنے آجائے گی۔ ان شاء اللہ۔

انہیں وجوہ کی بنا پر میرا خیال ہوا کہ اس موضوع پر ایک رسالہ تحریر کروں جس میں حق کا بیان ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ اہل معرفت اس بارے میں متفق ہیں کہ مطالع میں اختلاف ہوتا ہے اس لیے ہر علاقہ کے لیے اسی علاقہ والوں کی رویت معتبر ہوگی۔ علاوہ ازیں موجودہ اسلامی ملکوں کی حالت اس وقت یہ ہے کہ وہ دین و مذہب سے دور ہیں اور ان کا کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف کوئی تعلق نہیں بلکہ ان کا کردار و عمل ان کے خلاف ہے جسے ہر کوئی جانتا ہے۔ ایسی حکومتوں کو دینی امور میں مداخلت کی دعوت دینا عجیب بات ہے (رسالے کا نام "بیان الادلہ فی اثبات الابلہ" رکھا ہے۔ اب اصل مسئلہ اولہ شریعی کی روشنی میں بیان کیا جاتا ہے۔

واللہ الموفق والہادی الی سواہ السبیل۔

**حدیث اولہ۔** حدثنای یحییٰ، و یحییٰ بن ایوب و قتیبة و ابن حجر قال یحییٰ بن یحییٰ اخبرنا حدثننا اسمعیل و ہوا بن جعفر عن محمد و ہوا بن ابی حرملة عن کرباب ان ام الفضل بنت الحارث بعثتہ الی معاویۃ بالشاء قال فقدمت الشام فقضیت حاجتہما و استهل علی رمضان وانا بالشاء فوایت الهلال لیلة الجمعة ثم قدمت المدینۃ فی اخر الشهر فسالنی عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ثم ذکر الہلال فقال متی لا یتحر الہلال فقلت را یناہ لیلة الجمعة فقال انت دا ینتہ فقلت نعم ذاک الناس و صاموا و صام معاویۃ فقال لکنا دا یناہ لیلة السبت فلان قال نصوم حتی نکل ثلاثین او نراہ فقلت اولاً تکفی برؤیۃ معاویۃ و صیامہ فقال لا ہکذا انا و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

کریب کہتے ہیں مجھے ام الفضل بنت الحارث نے حضرت معاویہ کے پاس شام بھیجا میں وہاں گیا اور

کام پورا کیا اور وہیں رمضان کا چاند نظر آگیا۔ میں نے جمعہ کی رات چاند دیکھا، جب مہینہ کے آخر میں مدینہ آیا تو حضرت عبداللہ بن عباس نے مجھ سے پوچھا تم نے کب چاند دیکھا تھا۔ میں نے کہا جمعہ کی رات کو، انھوں نے کہا تم نے خود دیکھا تھا؟ میں نے کہا ہاں اور بہت سے لوگوں نے دیکھا اور اس کے مطابق روزے رکھے۔ حضرت معاویہؓ نے بھی روزہ رکھا۔ ابن عباسؓ نے کہا ہم نے ہفتہ کی رات چاند دیکھا ہے ہم تیس دن تک روزے رکھتے رہیں گے۔ الایہ کہ ہم خود پہلے دیکھ لیں۔ میں نے کہا آپ معاویہؓ کی رویت کا اعتبار نہیں کرتے؟ ابن عباسؓ نے کہا نہیں ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ ہر شہر کے لیے وہیں کی رویت کا اعتبار ہے۔ ابن عباسؓ نے کرب کی خبر اس لیے رد نہیں کی کہ وہ خبر واحد ہے کیونکہ اگر یہ وجہ ہوتی تو ابن عباسؓ حضرت معاویہؓ کی طرف لکھ کر اس کی تصدیق کرا سکتے تھے یا معاویہؓ خود اہل مدینہ کو چاند دیکھنے کی اطلاع لکھ کر بھیج دیتے کہ ہم نے جمعہ کی رات کو چاند دیکھا ہے اور تم اس دن کی قضا کرو۔ مگر ایسا نہیں ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ لوگ یہی سمجھتے تھے کہ ہر شہر کی رویت انھیں کے لیے معتبر ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں اور آپ کے خلفاء کے زمانے میں اس پر عمل رہا۔ کیونکہ نہ تو انھوں نے مختلف علاقوں سے رویت ہلال کی اطلاع حاصل کرنے کی کوشش کی اور نہ دوسرے ہی علاقے کے لوگوں نے از خود انھیں اطلاع دی۔ جب کہ اس دور کے مسلمان کو دین سے شدید لگاؤ تھا اور نیکی کے حریص تھے۔ اہم

نوی نے شرح مسلم میں اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے۔ باب ہے اس بیان میں کہ ہر علاقہ کے لیے ان ہی کی رویت ہے اور وہ جب چاند دیکھ لیں تو ان سے دُور والوں کے لیے حکم ثابت نہیں ہو جاتا۔ امام ابو داؤد نے السنن میں یہ باب دیا ہے۔ جب ایک شہر میں دوسرے شہروں سے ایک رات پہلے چاند نظر آجائے (تو اس کا حکم) ترمذی نے جامع میں یوں لکھا "باب ہے اس میں کہ ہر شہر کے لیے ان کی اپنی رویت ہے۔ پھر حدیث کرب کے درج کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں "اہل علم کا اسی پر عمل ہے کہ ہر شہر والوں کی رویت صرف انھیں کے لیے ہوگی۔ امام ترمذی نے اس بارے میں کوئی اختلاف بھی ذکر نہیں کیا (جیسا کہ اختلافی مسئلے میں وہ مختلف آراء نقل کرتے ہیں) امام نسائی باب باندھتے ہیں۔ رویت میں اہل آفاق کے اختلاف کا بیان مذکورہ ابواب کے تحت ان بزرگوں نے یہی حدیث کرب درج کی ہے جو دلیل ہے اس بات پر کہ ان کے ہاں ہر شہر کی رویت اسی علاقہ کے لوگوں کے لیے ہے۔ جیسا کہ ان کے قائم کردہ ابواب دلالت کرتے ہیں، اور کرب کے اس سوال کا کہ آپ رویت ہلال کے ثبوت میں حضرت معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے کو کافی کیوں نہیں سمجھتے؟ ابن عباسؓ نے جو یہ جواب دیا کہ



ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی حکم دیا ہے، تو اس سے مطلب حضرت ابن عباسؓ کا یہ تھا کہ اہل مدینہ اہل شام کی رویت کے افطار نہ کریں، اس لیے کہ حدیث میں ہے "چاند دیکھنے سے پہلے روزہ نہ رکھو اور چاند دیکھنے سے پہلے افطار نہ کرو"۔  
دوسری حدیث: - صحیح بخاری میں ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا تفطروا حتی تروا الهلال ولا تفطروا حتی تروا فان غم علیکم فاقدروا له وقال الشهر تسع وعشرون لیلۃ فلا تفطروا حتی تروا فان غم علیکم فاکملوا العدة ثلاثین۔

یعنی عبد اللہ بن عمرؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا روزہ نہ رکھو جب تک چاند دیکھ نہ لو۔ مہینہ انتیس رات کا بھی ہوتا ہے، پس دیکھ کر روزہ رکھو اگر کسی وجہ سے نظر نہ آئے تو تیس کی گنتی پوری کرو۔

اس روایت کے مختلف الفاظ یہ وارد ہیں۔

• فاقدروا له ثلاثین • اذا ایتم الهلال فصرموا اذا راہتموه فافطروا فان غم علیکم فاقدروا له • فان غم علیکم فاقدروا له • فان غم علیکم فصرموا ثلاثین یوما • فان غمی علیکم فاکملوا العدة • فان غمی علیکم الشهر تعدوا الثلاثین • فان غمی علیکم فعدوا ثلاثین • فان غمی علیکم فاکملوا عدة شعبات ثلاثین۔

ان تمام الفاظ احادیث کا ماہصل یہی ہے کہ روزہ تب رکھا جاسکتا ہے جب کہ شعبان کے پورے تیس دن ہو جائیں۔ یا پہلے نظر آجائے۔ دیکھ کر روزہ رکھو۔ دیکھ کر افطار کرو۔

ایک واضح مثال :- اگرچہ اس کی مخاطب تمام امت ہے لیکن یہ بات تو واضح ہے کہ روزہ اور افطار کا ایک سبب متعین ہے یعنی چاند کا نظر آجانا۔ جن لوگوں نے چاند دیکھ لیا ان کے لیے سبب کے متحقق ہو جانے کی بنا پر روزہ اور افطار لازم ہو گیا اور جن علاقوں میں چاند نہیں دیکھا جاسکا تو ان پر روزہ اور افطار لازم نہ ہو گا۔ کہ ان کے لیے سبب متحقق نہیں ہو سکا۔ نماز کے اوقات اس کی مثال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو زوال سورج کے بعد نماز ظہر کی اقامت کا حکم دیا تو جب مدینہ میں زوال ہو جائے گا۔ مدینہ والوں کے لیے نماز ظہر کا وقت ہو گیا لیکن مدینہ سے مغرب والوں کے لیے ابھی نماز ظہر کا وقت نہیں ہوا جب تک کہ ان کے ہاں زوال نہ ہو۔ اسی بنا پر اہل شرق فجر، ظہر، عصر، مغرب یہ تمام نمازیں اہل مغرب سے پہلے ادا کرتے ہیں کہ سبب نماز ان کے ہاں پہلے

متحقق ہو جاتا ہے۔ اسی طرح رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کو سمجھا جائے۔ دیکھ کر روزہ رکھو اور دیکھ کر افطار کرو۔

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ مثلاً مکہ اور مدینہ میں چاند نظر آگیا مگر اس وقت کسی علاقہ میں دن ہوگا اس وقت ان کو روزہ رکھنے کا حکم کس طرح دے سکو گے؟ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اختلاف مطالع کا اعتبار ضروری ہے۔ جیسا کہ کئی علماء نے اس پر اجماع کا دعویٰ بھی نقل کیا ہے۔

تیسری حدیث :- المصنف میں امام ابن ابی شیبہ نے یہ باب (عنوان) قائم کیا ہے۔ اس بات کا بیان کہ ایک مقام پر لوگ چاند دیکھ لیں۔ لیکن دوسری جگہ نظر نہ آئے۔ اس کے ذیل میں یہ حدیث دی ہے۔

حدثنا ابن ادریس عن عبد الله بن سعيد قال ذكروا بالمدینة روية الهلال وقالوا ان اهل استاده قد رأوا فقال القاسم و سالوا لانا دلاهل استادنا۔

عبداللہ بن سعید فرماتے ہیں مدینہ میں چاند دیکھنے کی بات چیت لوگوں میں ہوئی اور کہا کہ اہل استادہ نے چاند دیکھ لیا ہے تو قاسم اور سالم نے فرمایا ہمارا اہل استادہ سے کیا تعلق اور واسطہ؟  
ائمہ و محققین احناف کے اقوال :- اس بارے میں احناف کے ائمہ کبار اور علمائے محققین کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں۔

- صاحب تجرید لکھتے ہیں: مطالع کے اختلاف کی وجہ سے چاند کے احکام میں اختلاف ہو جاتا ہے۔
- مفتی ابوالسعود شرح مراقی الفلاح میں کہتے ہیں: صاحب تجرید کا نظریہ زیادہ قرین صحت ہے۔ اس لیے کہ سورج کی شعاعوں سے چاند کا جدا ہونا مختلف اقطارِ عالم کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ بات علم الافلاک والہیات سے بھی ثابت ہے۔ مطالع کے اختلاف کے لیے کم سے کم ایک ماہ کی مسافت سفر ہے جیسا کہ الجواہر میں ہے۔ (انتہی ملخصاً)
- تاتارغانیہ میں ہے اگر ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو کیا وہ کل بلاد کو لازم ہوگا؟ اس بارے میں شائع کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں لازم نہیں بلکہ ہر شہر والوں کے لیے ان کی اپنی ہی حدیث معتبر ہے۔

- زلیعی شرح الکنز میں لکھتے ہیں: اکثر شائع کا خیال ہے کہ اختلاف مطالع کا کوئی اعتبار نہیں مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ اعتبار ہے اس لیے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے جو ان کے ہاں ہے اور سورج کی شعاعوں سے چاند کا جدا ہونا مختلف اقطار کے اعتبار سے مختلف ہو جاتا ہے۔ اور اختلاف مطالع کے اعتبار پر وہ حدیث کرب دلیل ہے جو صحیح مسلم میں ہے: (یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے، ملاحظہ فرمائی جا)

- "مخترات نوازل" میں ہے۔ ایک شہر والوں نے چاند کو دیکھ کر اکتیس روزے رکھے اور دوسرے شہر والوں نے چاند کو دیکھ کر تیس روزے رکھے اور دونوں کا مطلع ایک ہے تو اول الذکر ایک دن کے روزہ کی تضادیں۔ اور اگر مطلع کا اختلاف ہے تو پھر قضا نہیں ہے۔"
- ابن عابدین فرماتے ہیں۔ "معلوم ہونا چاہیے کہ مطلع کے مختلف ہونے میں بایں معنی کوئی نزاع نہیں کہ دو شہروں کے درمیان اتنا بُعد ہو کہ ایک بلدۃ میں ایک رات چاند طلوع ہو اور دوسرے میں نہ ہو۔ اس طرح سورج کے مطلع میں بھی اختلاف ہوتا ہے۔ چاند کا سورج کی شعاعوں سے دور ہونا مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ مشرق میں سورج کے زوال سے یہ لازم نہیں کہ مغرب میں بھی زوال ہو چکا ہے۔ یہی حساب اس کے طلوع اور غروب کا ہے۔ بلکہ جوں ہی سورج ایک درجہ حرکت میں آئے گا (نظر بظاہر) تو یہ کسی قوم کے لیے صبح صادق کا وقت ہوگا اور کسی کے لیے طلوع شمس کا، کہیں غروب ہوگا اور کہیں آدھی رات۔" میا کہ زلیعی میں ہے۔ اور اختلافِ مطلع کے اعتبار کے لیے ایک ماہ یا زیادہ کی مسافت ضروری ہے (القہستان عن الجواہر) البتہ اعتبارِ مطلع میں اس لحاظ سے اختلاف کیا کہ مطلع کا اعتبار کیا جائے اور ہر قوم پر انہیں کے مطلع کے احکام نافذ ہوں اور کسی کے لیے دوسروں کے مطلع کے مطابق عمل کرنا لازم نہ ہو یا ان دونوں کے اختلافِ مطلع کا اعتبار ہی نہ کیا جائے بلکہ جہاں پہلے رویت ہو جائے، اس کے مطابق عمل کرنا ضروری ہو جی کہ مغرب میں جمعہ کی رات کو چاند نظر آجائے اور مشرق میں ہفتہ کی رات کو تو مشرق والوں پر مغرب والوں کی رویت کے مطابق عمل کرنا واجب ہو۔ بعض لوگ پہلے نظریے کے قائل ہیں اور اسی پر امام زلیعیؒ اور صاحب الفیض نے اعتقاد کیا ہے۔ شوافع کے ہاں بھی یہی صحیح ہے۔ اس لیے کہ ہر قوم اسی کی مخاطب ہے جو ان کے ہاں ہے۔ جس طرح کہ اوقاتِ نماز کا معاملہ ہے۔ الا رد میں اسی کی تاکید ہے اور اسی اعتبار سے وہ کہتے ہیں کہ عشا اور تراویح پر واجب نہیں۔ جس سے ان کے اوقات منقود ہو جائیں۔ زلیعی شارح الکنز نے کہا اختلافِ مطلع کا عدم اعتبار قریب قریب کے شہروں میں ہے دور والوں میں نہیں۔ تجرید القدری میں اسی طرح ہے اور جربانی نے بھی یہی کہا ہے۔

- مرعاة المفاتیح شرح مشکوٰۃ الصابیح کے مؤلف رقمطراز ہیں۔ میرے خیال میں زلیعی کا قول تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں ورنہ کہیں عید ستائیسویں دن ہوگی کہیں اٹھائیسویں۔ اور کہیں اکتیس اور تیس کو۔ بلادِ مسطانیہ کا چاند کبھی کبھی پہلے چاند سے دو دن پہلے ہوتا ہے۔ ہم نے اپنے چاند کے



اعتبار سے روزہ رکھا اور بعد میں بلادِ فلسطینہ کی اصلاح آجائے تو عید پہلے کرنی پڑے گی یا ادھر کا کوئی آدمی عید سے پہلے ہمارے پاس آجائے تو اس کی عید تاخیر ہو جائے گی۔

نیز مرعاة التایح میں ہے محققین حنفیہ، مالکیہ اور عمام شافعیہ کا خیال ہے کہ اگر دو شہروں میں اتنی مسافت ہے کہ ان کا مطلع مختلف نہیں ہے۔ جیسا کہ بغداد اور بصرہ تو ایک شہر میں رویت کی وجہ سے دوسرے شہر والوں پر روزے لازم ہو جائیں گے اور اگر ان کے مابین اتنی دوری ہے جیسا کہ عراق اور حجاز میں ہے تو ہر شہر والوں کی رویت ان کے اپنے لیے ہے۔

• علامہ عبدالرحمان مبارک پوری شارح جامع ترمذی لکھتے ہیں جن بلاد میں اختلاف مطلع نہیں ہے وہاں ایک کی رویت دوسرے شہر والوں کے لیے لازم ہے۔ امام البرہنہؒ سے ایک روایت یہی ہے۔ صاحب بدائع لکھتے ہیں یہ اس وقت ہے جب کہ مسافت اتنی ہو کہ مطلع مختلف نہ ہو اور اگر زیادہ بعد ہو تو ایک بلدہ والوں کے احکام دوسرے بلدہ والوں پر لاگو نہیں ہوں گے۔ اس لیے کہ بہت دوری کی وجہ سے مطلع مختلف ہو جاتے ہیں جیسا کہ سورج کا مغرب مختلف ہوتا ہے تو ہر ایک پر اس کے اپنے مغرب کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ انتہی۔

• شیخ مرقی (زبیدی) شرح الاحیاء میں کہتے ہیں: "مطلع کا اختلاف ثابت ہے۔ شرقی بلاد میں رات پہلے آتی ہے اور غربی میں بعد کو، اگر دونوں کا مطلع ایک ہے تو ہر ایک کی رویت دوسرے کی رویت کو مستلزم ہے۔ اور اگر مطلع مختلف ہے تو مشرق کی رویت سے مغرب کی رویت لازم ہے مگر مغرب کی رویت سے مشرق کی رویت لازم نہیں۔ حدیث کرب کا مطلب بھی یہی ہے۔"

ابن عابدین نے اپنے رسالہ تنبیہ الغافل والو سان علی احکام ہلالِ رمضان میں یہ تصریح فرمائی ہے۔ معلوم ہونا چاہیے کہ چاند کے مطلع میں مختلف اقطار و بلاد کے لحاظ سے اختلاف ہوتا ہے۔ پس کہیں چاند نظر آ جاتا ہے کہیں نہیں۔ جس طرح سورج کے مطلع مختلف ہیں، کسی شہر میں سورج طلوع ہوتا ہے (یعنی صبح ہوتی ہے) تو دوسرے کسی شہر میں ابھی رات ہی ہوتی ہے۔ یہ باتیں کتب ہیئت میں محقق اور روزمرہ کا مشاہدہ ہیں۔

• محقق ابن حجر (مکی) کے فتاویٰ میں ہے: "سبکی اور آسنوری نے تصریح کی ہے کہ مطلع جب مختلف ہوں تو مشرقی بلدہ میں رویت ہلال سے مغربی بلدہ کی رویت لازم ہے اس کا برعکس نہیں کہ مغرب کی رویت سے مشرق میں رویت لازم ہو۔ کیونکہ مشرق میں رات پہلے آتی ہے۔ اور اگر مطلع ایک ہی ہے تو ہر ایک کی رویت سے دوسروں کی رویت لازم ہے۔ اسی لیے علماء کی ایک جماعت کا فتویٰ ہے کہ اگر

دو بجائی زوال کے وقت فوت ہو جائیں ایک شرقی ہیں ہے اور دوسرا مغرب میں۔ مغربی شرقی کا وارث ہوگا اس لیے شرقی کی موت پہلے واقع ہوئی ہے۔ عام اوقات میں جب یہ بات محقق ہے تو چاند کے بارے میں بھی ایسا ہی سمجھ لیجیے۔ نیز ایسا ہو سکتا ہے کہ شرقی میں چاند سورج کے تہایت قریب ہو اور سورج کی شعاعوں کی وجہ سے نظر نہ آ سکے۔ مغرب میں سورج دیر سے غروب ہوگا تو اس اشار میں چاند بھی سورج سے دور ہو چکا ہوگا اس لیے وہاں نظر آئے گا (آگے نکھتے ہیں) چاند کا سورج کی شعاعوں سے دور ہونا مختلف علاقوں کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ مشرق میں سورج کا زوال ہو تو مغرب میں لازم نہیں ہے۔ اسی طرح طلوع اور غروب کا معاملہ ہے۔ سورج جوں ہی ایک درجہ حرکت کرے گا (نظر بظاہر) تو یہ کسی قوم کے لیے صبح صادق بنے گا اور کئی دوسروں کے لیے دن ہو چکا ہوگا اور کہیں غروب ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات کا وقت۔

- مروی ہے کہ ابو موسیٰ ضریر الفقیہ مؤلف المختصر اسکندریہ آئے تو ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا کہ اگر ایک شخص منارہ اسکندریہ پر چڑھ جائے اور وہ شہر والوں سے بعد تک سورج کو دیکھتا رہے تو کیا وہ افطار کر سکتا ہے؟ ابو موسیٰ نے جواب دیا نہیں البتہ شہر والے افطار کر سکتے ہیں کہ ان کے ہاں غروب ہو چکا۔
- شیخ نجیت المطیعی اپنے رسالہ ارشاد اہل الملۃ الی اثبات الابلۃ میں لکھتے ہیں۔

واضح رہے کہ مطالع کے مختلف ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے کہ یہ مشاہد اور ثابت شدہ بات ہے۔ دیگر املا کی طرح اس بارے میں بھی شرع عقل کے مطابق ہے۔ دیکھئے شریعت نے کئی احکام کی بنا اختلاف مطالع پر رکھی ہے۔ غماز اور حج کے اوقات کو ہی لے لیجیے۔ حج میں اہل مکہ کے مطالع کا اعتبار کیا گیا ہے۔ سواریت میں تقدیم و تاخر کا اعتبار بھی اسی طور پر کیا گیا ہے کہ پہلے موت کس کو آئی ہے۔ یہ تمام مسائل متفق علیہ ہیں۔ اختلاف مطالع کے تسلیم کے بعد البتہ اس میں اختلاف ہوا کہ رمضان و شوال کے چاند میں اس کا اعتبار کیا جائے یا نہ؟ واقع اور نفس الامر کو دیکھا جائے تو ہم پاؤ گے اختلاف مطالع اور ضروری اور بدیہی ہے اور اس اختلاف کی وجہ سے اوقات کا اختلاف متحقق ہوتا ہے بعض ایسے علاقے ہیں جہاں سورج دو ماہ یا تین ماہ ظاہر ہوتا ہے اور قطبی جہت میں ایسے بھی ہیں جہاں چھ ماہ سورج ظاہر ہوتا ہے چھ ماہ نہیں تو کیا یہ ممکن ہے کہ جب اہل مصر نے ان کے غروب کے وقت رمضان کا چاند دیکھ لیا تو انہیں اہل مصر کی رویت کی وجہ سے روزہ رکھنے کا مکلف قرار دیا جائے۔ اسی طرح ہمارے اور امریکہ کے اوقات میں بھی بہت اختلاف ہے۔ کیا ہم انہیں اہل مصر کی رویت کی وجہ سے غروب کے فوراً بعد روزہ رکھنے کا مکلف قرار دے سکتے ہیں؟ نہیں اس لیے نہیں کہ یہ وقت ان کے ہاں صبح کے طلوع کا ہوگا یا سورج نکلنے کا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنا عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔



یہ تمام تصریحات محققین ائمہ حنفیہ کی ہیں جن سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان سب کے نزدیک اختلافِ مطالع کا اعتبار ضروری ہے یعنی ایک علاقے کی رویت دوسرے شہر کے لیے کافی نہیں۔ الایہ کہ دونوں کا مطالع ایک ہو۔ اگر چاند مغرب میں نظر آ جائے جیسے اندلس والے دیکھ لیں تو ان کی رویت سے مشرق میں رویت لازم نہیں جیسے مکہ وغیرہ میں اس لیے کہ سورج ان کے سامنے سے گزرا تھا تو چاند اس کی شعاعوں میں چھپا ہوا تھا ان کے ہاں رویت ممکن ہی نہیں تھی۔ لیکن مغرب میں کچھ اور آگے بڑھنے سے چاند اس کی شعاعوں سے منفصل ہو جائے گا اور رویت ممکن ہو جائے گی اور پھر اس سے بھی آگے کے لیے چاند اور بھی نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔ اس کا الٹ نہیں ہوتا پس مکہ مکرمہ میں چاند دیکھ لیا جائے تو مغرب میں ضرور دیکھا جائے گا اگر کوئی مانع مائل نہ ہو۔

**ہلال کا لغوی مفہوم۔** ہلال ظاہر ہونے والی چیز کو کہتے ہیں اور چاند کے دیکھنے کے وقت اونچی آوازیں اٹھنا بھی اس کا معنی ہے۔ استعمال المصبی کا مطلب ہے بچہ نے اونچی آواز کی۔ اہلال بالجمع اونچی آواز سے تبلیہ کہنا۔ چاند دیکھ کر اونچی آواز سے لا الہ الا اللہ کہنا۔ کبھی کبھی ہلال شہر (ماہ) کے معنی میں اور شہر (ماہ) ہلال کے معنی میں بھی عربی میں مستعمل ہے۔ اہل الهلال۔ استہل۔ اہللنا۔ استعمال اس کے استعمالات ہیں۔ یہ اکثر اہل لغت کا بیان کردہ مفہوم ہے۔

شمر کہتا ہے استعمال الهلال مبنی للفاعل چاند کے معنی میں اور مبنی للمفعول ماہ کے معنی میں جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شہر مستہل بعد شہر      وحول بعدہ حول جدید

استہل تبین کے معنی میں بھی آتا ہے۔ اس کا استعمال اصل میں اہللنا عن لیلۃ کذا درست ہے۔ اتہی۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ ہلال۔ ظہور اور رفع الصوت کے معنی میں ہے اس لیے جب تک اہل زمین کے لیے اس کا ظہور نہ ہو تب تک اس کے آسمان پر طلوع ہونے کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ بالظاہر۔ انہوں نے فعل (اسے دیکھنا اور عادت کہنا کہ یہ چاند ہے) سے اس کو ہلال نام دیا گیا ہے جب تک انسان نہ دیکھ لیں ہلال نہیں بنے گا۔ ایک یا دو آدمی دیکھتے ہیں مگر یہ کسی کو بتاتے نہیں تو بھی ہلال نہیں ہوا۔ اس لیے کوئی حکم شرعی نافذ نہیں ہوگا جب تک وہ اس کی خبر نہ دیں۔ تو ان کا خبر دینا ہی ہلال ہے جس سے رفع صوت کا مفہوم پایا گیا۔ اس سے واضح ہو گیا کہ ہلال میں ظہور اور



غایاں ہونے کا معنی ہے۔ ظاہر اور نمایاں ہونے کے قبل ہلال نہیں۔ پس اہل شرق اہل مغرب کی رویت  
نے روزے رکھیں نہ افطار کریں اس لیے کہ شرق میں ہلال ہے ہی نہیں کہ ان کے سامنے ظاہر نہیں ہوا۔  
محققین مالیکہ کے اقوال :- ابن عبدالبر التمشید میں لکھتے ہیں :- علماء کا اجماع ہے کہ بہت  
دور کے شہروں میں ایک دوسرے کی رویت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ خراسان اور اندلس میں  
دوری ہے اس لیے کہ ہر علاقہ کا ایک مخصوص حکم ہے جو اسی سے مخصوص ہے، ہاں جو شہر قریب قریب  
ہیں ان کے لیے ایک ہی رویت کافی ہوگی :-

نیز انھوں نے کہا :- چاند کی خبر بطور حکم ہو یا دو عادل گواہوں کے دیکھنے کی ہو یا کسی بھاری جماعت  
کے دیکھنے کی ہر صورت قریبی بلاد ہی کے لیے معتبر ہے۔ بہت دور کے لیے نہیں۔ ابن عرفہ نے اسی  
کو پسند کیا ہے۔

• ابن البنا کہتے ہیں :- میرے والد نے ابو محمد بن بکر الفاسی سے متعلق بتلایا کہ ان سے یہ سوال کیا گیا۔  
اسکندریہ کی ثویت سے ہم روزے رکھیں انھوں نے جواب دیا نہیں :- قریب کی رویت کی وجہ سے تو  
روزے ہو سکتے ہیں دور کی رویت سے نہیں۔ محمد بن سابق کا قول ہے اہل قیروان مکہ اور مدینہ اور ان  
جیسے دیگر دور کے شہروں کی رویت سے روزے نہ رکھیں یہ مثلاً جماعی ہے۔ نیز ابن البنا کہتے ہیں  
غسانی اور حربی ابن عباس کی مذکور حدیث میں یہ الفاظ زیادہ ذکر کرتے ہیں کہ اہل نجد نے رسول اللہ  
صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ ان کی رویت اہل مدینہ سے ایک دن پہلے ہے آپ نے فرمایا ہر شہر والوں  
کے لیے انھیں کی رویت ہے۔

• شیخ محمد بن عبد الوہاب بن عبد الرزاق خلاصہ الغذب الزلال فی مباحث رویتہ الہلال میں یہ تصریح  
کرتے ہیں کہ ابن رشد نے ہدایہ میں کہا :- علماء کا اجماع ہے کہ ایک دوسرے سے بہت دوری پر واقع علاقوں  
میں اس کی رعایت نہ کی جائے۔

• ابن جزئی القوانین میں لکھتے ہیں :- امام شافعی کے نزدیک ایک شہر والوں کی رویت سے دوسرے شہروں میں  
حکم نکلے ہو جائے گا۔ ابن ماجشون اس کے خلاف ہیں البتہ دور دراز مسافت پر واقع اطراف میں اس کا اعتبار  
نہ ہوگا۔ جیسا کہ اندلس اور حجاز میں :-

ابن البنا کہتے ہیں :- محمد بن نسیم نے کتاب المواقیت میں کہا ہے کہ اس بارے میں علماء کے درمیان اختلاف  
نہیں کہ بعد مسافت کا اعتبار کیا جائے۔ جو شخص علی الاطلاق رویت کا حکم سب کے لیے ثابت کر دیتا ہے  
مسافت قریب اور مسافت بعید کا فرق کیے بغیر وہ بُری تعلیم دے رہا ہے اور اس کا یہ فیصلہ چاند کے وجود سے

متعلق حکمت الہی سے ناواقفیت کا نتیجہ بھی ہے اور سالوں کے لیے اگندہ کے احکام کے مخالف بھی۔

• بدایۃ المجتہد میں ابن رشد کہتے ہیں کیا کسی شہر والوں پر واجب ہے کہ دوسرے شہر والوں کی رویت کو اپنالیں۔ یا ہر شہر میں الگ الگ رویت کا حکم ہے۔ اس میں اختلاف ہے ابن القاسم اور مصری امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ جب کسی شہر والوں کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شہر میں چاند دیکھا گیا تھا تو یہ ایک دن کا روزہ قضا کریں۔ امام شافعی اور امام احمد نے بھی یہی کہا ہے۔ مدینہ والے امام مالک سے روایت کرتے ہیں کہ چاند دیکھنے کی خبر سے دوسروں پر رویت کا حکم لازم نہیں ہوتا لہذا یہ کہ امام لوگوں کو اس پر آمادہ کر دیا ہو ابن ماجہ اور دیگر اصحاب مالک میں یہی مذہب رکھتے ہیں اور مالکیوں کا اس پر اجماع ہے۔ کہ بہت دوری پر واقع علاقوں میں ایک دوسرے کی رویت کی رعایت نہیں کی جائے گی جیسا کہ اندلس اور حجاز میں۔ انتہی۔

• امام قرطبی تفسیر میں لکھتے ہیں..... کسی شخص نے خبر دی کہ فلاں شہر میں چاند نظر آگیا یا تو وہ شہر قریب ہو گا یا دور۔ اگر قریب ہے تو حکم ایک ہی ہے اور اگر دور ہے تو ہر شہر کے لیے ان کی اپنی رویت کا اعتبار ہے۔

• عکرمہ، سالم، قاسم سے بھی یوں ہی مروی ہے۔ ابن عباسؓ نے بھی ایسا ہی کہا ہے۔ اسٹی کا مسلک بھی یہی ہے۔ امام بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح کے باب لا ھل کل بلد دؤیتھ میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے ابن عباسؓ کے منقولہ حکذا ائمناد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت کرتے ہوئے قرطبی فرماتے ہیں۔

”ہمارے علماء نے کہا ہے کہ ابن عباسؓ نے یہ کہہ کر تصریح کر دی ہے کہ یہ مرفوع حدیث ہے۔ اور دلیل ہے

اس بات پر کہ شام اور حجاز جتنے دور کے علاقوں میں ہر شہر والے اپنی اپنی رویت پر عمل کریں۔ لایہ کہ مسلمانوں کا

امام اعظم لوگوں کو دوسرے علاقہ کی رویت ماننے پر آمادہ کرے تو اس کی مخالفت جائز نہیں ہے۔“

• ابن العربیؒ نے کہا ابن عباسؓ کے اس قول کی تفسیر میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اس نے سو کیا کہ یہ خبر امدادی بعض

کہتے ہیں اس لیے رو کیا کہ دونوں علاقوں میں اختلاف مطلع کا تھا اور یہی صحیح ہے اس لیے کہ کریش نے گواہی روایت

نہیں کی بلکہ شہادت پر مبنی ایک فیصلے کی خبر دی ہے۔ اور بلا اختلاف ایک فرد کی خبر بھی مقبول ہے۔ اس کی ایک نظیر یہ بھی

ہے کہ اغات میں جمعہ کی رات چاند نظر آجائے اور اشبیلیہ میں ہفتہ کی رات تو ہر ایک کی رویت ان کے اپنے لیے ہوگی اس

لیے کہ سہیل تارہ اغات میں شکف ہوتا ہے اشبیلیہ میں نہیں معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کا مطلع مختلف ہے۔

• علامۃ العذب الزلال میں ہے۔ قرانی نے الفرق میں کہا چاند کی رویت میں اختلاف اس لیے ہو جاتا ہے کہ

مشرق بلاد میں چاند شاموں میں ہوتا ہے۔ جوں جوں سورج مغرب میں جائے گا چاند شاموں سے نکل جائے گا اور اہل مغرب

اسے دیکھ لیں گے۔ اہل مشرق اسے پھر دوسری رات دیکھ سکیں گے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے۔ رویت چاند میں اختلاف

کا یہ ایک سبب ہے۔ اور بھی اسباب ہوتے ہیں جیسا کہ علم ہئیت میں مذکور ہے (انتہی)

نیز کہا صحیح یہ ہے کہ اختلاف مطلع کا اعتبار کیا جائے۔ جو لوگ اعتبار نہیں کرتے وہ برا کرتے ہیں۔



• قرآنی 'الفروق' میں مزید لکھتے ہیں: یہ بات ممکن علیہ ہے کہ آفاق کے اختلاف سے نماز کے اوقات میں اختلاف وقوع پذیر ہوتا ہے۔ ہر قوم کے لیے ان کی اپنی فجر اور ان کے زوال کا اعتبار ہے۔ اسی طرح چاند کے بارہ میں بھی ہونا چاہیے اس لیے کہ مشرقی بلا دیں جب چاند شعاعوں میں ہوتا ہے اور سورج چاند کے ساتھ مغربی جہت میں حرکت پذیر ہوتا ہے تو اس وقت سورج کے افق مغرب تک پہنچتے ہی چاند شعاع سے نکل آتا ہے پس اسے اہل مغرب دیکھ لیتے ہیں اور اہل مشرق نہیں دیکھ پاتے۔ یہ بھی اعتبار اختلاف مطالع کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، اس کے علاوہ اور بھی اسباب ہیں جو علم ہیت میں مذکور ہیں جن کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے، یہاں میں نے وہی سبب بیان کیا ہے جو قریب الفہم ہے۔ جب یہ بات ہے کہ چاند آفاق کے مختلف ہونے کے ساتھ طلوع و غروب میں مختلف ہو جاتا ہے تو ہر علاقہ کے لیے اس کی اپنی ہی رویت معتبر ہوگی، جس طرح ہر قوم کی اپنی فجر اور دیگر اوقات نماز ہیں۔ یہی بات صحیح اور صواب ہے اور ایک جگہ کی رویت سے تمام اقالیم میں روزوں کو ضروری قرار دینا قواعد اور اولہ کی رُوسے صحیح نہیں ہے۔

• ابن الماجشون نے کہا: شہادت کی بنا پر حکم اس شہر والوں کے لیے ہوگا جس میں شہادت ہوئی اللہ اعلم سلطان اسلام کے ہاں شہادت متحقق ہو اور وہ تمام لوگوں پر حکم لازم کر دے تو سب پر حکم ثابت ہو جائے گا کیونکہ اس کے حق میں تمام بلاد ایک بلاد کے حکم میں ہیں کہ اس کا حکم کل بلاد میں نافذ ہے (بجوالہ عن المبود شرح السنن لابن داؤد) یہ مالکی ائمہ محققین کے اقوال ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شہر کے لیے وہیں کی رویت کا اعتبار ہے جب کہ دونوں میں دوری ہو۔ جیسا کہ کُریب مولیٰ ابن عباس کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ اور ابن عباسؓ کا یہ فرمان بھی کہ ہم روزے چاند کو دیکھ کر ہی رکھیں گے یا پھر تیس دن کی گنتی پوری کریں گے۔ اسی طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ اس میں صراحت ہے کہ اہل مدینہ اہل شام کی رویت پر عمل نہیں کرتے کہ ان کے درمیان دوری مسافت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے: چاند دیکھ کر روزہ رکھو، دیکھ کر افطار کر دو اسی طرح آپؐ نے فرمایا: نہ روزہ رکھو حتیٰ کہ دیکھ لو اور نہ افطار کر دیاں تک کہ دیکھ لو۔ یہ بھی صریح ہے کہ روزہ اور افطار تب واجب ہوں گے جب کہ ان کا سبب چاند کو دیکھنا ثابت ہو جائے نماز کے اوقات اس کی نظیر ہیں۔ صبح کی نماز صبح صادق کے وقت ہوگی، ظہر، زوال سورج کے بعد عصر جب ہر چیز کا سایہ اس کی مثل ہو جائے۔ مغرب جب سورج غروب ہو جائے۔ عشاء جب سورج شفق غائب ہو جائے۔ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ جب مدینہ یا مکہ میں نماز کا وقت ہو جائے تو تمام بلاد میں یہ حکم ثابت



ہو جائے گا؛ کوئی بھی مسلمان ایسا نہیں کہا۔ چاند کا حکم بھی اسی طرح ہے۔ ہر شہر والوں کے لیے ان کی رویت ہے۔ بالخصوص جب کہ دو شہروں میں اتنی دوری ہو کہ ایک میں رویت ہو جائے تو دوسرے شہر والوں کے لیے چاند دیکھنا ممکن ہی نہ ہو۔ یہ ایک واضح بات ہے جسے ائمہ علماء نے ثابت کیا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔

شوافع علمائے محققین کے اقوال :- • امام نووی شرح المہذب میں لکھتے ہیں جب ایک شہر میں رمضان کا چاند دیکھ لیا جائے اور دوسرے کسی شہر میں نظر نہ آئے تو دونوں اگر قریب قریب ہیں تو ایک شہر کے حکم میں ہوں گے۔ بلا اختلاف دوسرے شہر والوں پر روزہ واجب نہیں ہوگا۔ مصنف مہذب (ابوالسنی شیرازی) بھی شیخ ابو حامد الہندی نجی اور دوسرے علماء کا یہی فیصلہ ہے العبدی، الرافعی اور اکثریت نے اسی کو صحیح قرار دیا ہے، ہے بھی یہی نظریہ درست۔ اس لیے کہ اگر شہر دور دور ہیں تو ہر ایک کی رویت ان کے اپنے لیے ہی ہے۔ کیونکہ مختلف بلاد میں طوابع اور غوارب مختلف ہوتے ہیں۔ ہر قوم اپنے مطلع اور مغرب کے احکام کی مخاطب ہے۔ دیکھئے فجر کا طلوع ایک بلد میں پہلے ہوتا ہے اور کسی جگہ بعد میں تو وہاں کے ساکنین کے لیے ہر بلد کا طلوع و غروب ہی معتبر ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند کا معاملہ ہے۔ انتہی۔

ابن المنذر نے یہ نظریہ (عدم العمل بحدیث بلد آخر) عکرمۃ، قاسم، سالم، السنی بن راہویہ سے بیان کیا ہے۔ اور امام ترمذی نے اہل العلم کا یہی فیصلہ بتایا ہے اور دوسرا کوئی مسلک بیان نہیں کیا۔

قرب و بعد شہر کیا ہے جس سے رویت کے احکام مختلف ہوتے ہیں۔ اہل عراق، امام میدانی اور شوافع کہتے ہیں دوری یہ ہے کہ مطلع مختلف ہوں۔ جس طرح حجاز، عراق اور خراسان میں ہے اور قریب ہونا یہ ہے کہ مطلع مختلف نہ ہو جس طرح بغداد، کوفہ، رے اور قزوین میں۔ امام نووی نے الوضو المنہاج اور شرح المہذب میں اسے صحیح کہا ہے۔ اور رملی نہایت المحتاج شرح المنہاج میں کہتے ہیں جب ایک شہر میں چاند دیکھ لیا جائے تو اس کے قریبی شہر میں حکم نافذ ہو جائے گا جس طرح بغداد کوفہ ہیں۔ کہ یہ دونوں ایک بلدہ کے حکم میں ہیں۔ دور کے شہروں میں حکم نافذ نہ ہوگا جیسا کہ حجاز اور عراق کے علاقوں میں دوری ہے۔ صحیح تر بات یہی ہے اور دوسرا خیال یہ ہے کہ بعید میں بھی حکم نافذ ہوگا اور بعید کا معیار ان کے نزدیک مسافت قصر ہے۔ مصنف نووی نے شرح مسلم میں اسی کو صحیح کہا ہے اس لیے کہ شرح کے بہت سے احکام اس سے متعلق ہیں اور یہ بھی کہا گیا کہ بعید کا معیار مطلع کا مختلف ہونا ہے۔ انتہی۔

میں کہتا ہوں اور یہی زیادہ صحیح ہے (واللہ اعلم) کیونکہ چاند کے مسائل کا مسافت قصر سے کوئی تعلق نہیں۔ نیز اس لیے بھی گنڈی کی روایت میں ہے کہ میں نے شام میں چاند دیکھا پھر میں ورنہ آیا تو ابن عباسؓ نے کہا تم نے چاند کب دیکھا ہے میں نے کہا جمعہ کی رات کو انھوں نے کہا۔ ہم نے ہفتہ کی رات کو چاند دیکھا ہے۔ ہم اس کے مطابق روزے رکھ کر گنتی پوری کریں گے۔ میں نے کہا کیا آپ حضرت معاویہؓ کی رویت اور ان کے روزہ رکھنے پر اکتفا نہ کریں گے فرمایا نہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی حکم ہے۔

نیز طلوع فجر و شمس اور غروب پر قیاس کا اتفاق بھی یہی ہے۔

نیز اختلافِ مطلع کی وجہ سے مناظر کائنات میں اختلاف رونما ہوتا ہے اس لیے بھی اس کا

اعتبار کرنا بہتر ہے۔

ایک سوال اور اس کا جواب۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مطلع کے اعتبار میں منجمین کے فیصلہ جات اور علم الحساب پر اعتماد کرنا پڑے گا حالانکہ ان کے اقوال کا شرعیات میں کوئی اعتبار نہیں ہے۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ اصول اور امور عامہ میں ان کے عدم اعتبار سے یہ لازم نہیں کہ توابع اور امور خاصہ میں بھی ان کا اعتبار نہ کیا جائے۔ اگر ان کے فیصلہ میں اتفاق مشکوک ہے تو ان کے اختلاف کی صورت میں جو حکم ہے وہی ہوگا اس لیے کہ اصل عدم وجوب ہے۔ اور اس لیے کہ حکم کا وجوب رویت کی وجہ سے تھا اور بلد رویت کے ساتھ دوسرے شہر کا قرب ثابت نہ ہو سکا۔ ہاں اگر اتفاق ہو جائے کہ فلاں اور فلاں شہر ایک مطلع میں ہیں تو ایک میں رویت سے دوسرے میں رویت کا فیصلہ کرنا لازمی ہوگا۔ تاج تبریزی نے کہا ہے کہ اختلافِ مطلع جو میں فرسخ (۲ میل) سے کم میں ممکن نہیں ہے۔ واللہ نے یہی فتویٰ دیا ہے۔

مُسکٰی نے بھی اسی طرح فرمایا کہ اختلافِ مطلع کی صورت میں مشرقی شہر میں چاند نظر آ جائے تو مغربی شہر میں چاند ضرور نظر آئے گا۔ اس کا الٹ ضروری نہیں ہے۔ مسکٰی نے اس مسئلہ پر طویل بحث کی ہے۔ اسنوی اور دیگر علماء بھی اس کے مؤید ہیں۔ مگر یہ اصول وہاں ہے جہاں بلاد کی جہت اور عرض میں اتحاد ہو۔ اسی وجہ سے دو شخص جو ایک دوسرے کے دارت ہیں ایک مشرق میں رہتا ہے دوسرا مغرب میں اور اپنی اپنی جگہ وہ زوال کے وقت مریختے ہیں، تو مغربی مشرقی کا دارت ہوگا اس لیے کہ اس کے شہر کا ندال بعد میں ہوا ہے۔ انتہی۔

شیخ علی بن عبد الکافی السبکی اپنی کتاب العلم المنشور فی اثبات الشہور میں یہ تصریح کرتے ہیں: ایک



شہر میں چاند دیکھ کر تمام بلاد دنیا میں لازم قرار دینا بہت کمزور بات ہے۔ اس لیے کہ حضرت عمرؓ اور دیگر خلفائے راشدین سے یہ منقول نہیں کہ وہ چاند دیکھ کر دوسرے علاقوں میں چاند کی اطلاع دیتے تھے۔ اگر یہ حکم لازم ہوتا تو وہ ضرور ایسا کرتے کہ وہ دین سے خوب اعتناء رکھتے تھے۔ علاوہ ازیں ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بلاد میں چاند ایسے وقت میں نظر آتا ہے کہ دوسرے بلاد میں دیکھنا ممکن ہی نہیں ہوتا جیسا کہ ہمیں یہ قطعی علم ہے کہ سورج بعض جگہ پہلے غروب ہو جاتا ہے۔ یہی حال طلوع، زوال، فجر اور غیاب شفق کا ہے جب سورج (نظرِ ظاہر) حرکت میں آتا ہے تو ہر جگہ کے لوگوں کے لیے فجر بنتی ہے، کہیں زوال ہوتا ہے اور کہیں غروب تو ہر قوم کے لیے احکام نماز میں ان کا اپنا غروب، طلوع اور زوال معتبر ہے۔ اس پر چاند کو قیاس کر لیجیے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کو ان کے اپنے حالات کے مطابق مکلف بنایا ہے۔

حضرت مکرمہ، قائم، سالم، اسحاق اور ابن البارک سے منقول ہے وہ کہتے ہیں ہر شہر والوں کے لیے ان کی اپنی رویت کا اعتبار ہوگا۔ شیخ نے مزید کہا امام بخاریؒ نے یہ باب باندھا ہے۔ باب نکل بلد دیتہم۔ لیکن میں نے صحیح بخاری کے مختلف طبع کے نسخے اور مخطوطے ملاحظہ کیے ہیں مگر مجھے یہ باب نہیں مل سکا۔ قرطبی نے بھی اس تبویب بخاری کا ذکر کیا ہے جیسا کہ ہم مالکیوں کے اقوال کے ذیل میں بیان کر آئے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ شیخ سبکیؒ اور قرطبیؒ کے پاس صحیح بخاری کے نسخوں میں یہ باب موجود ہو یا پھر شیخ سبکی نے قرطبی کی تقلید کی ہو۔ ہاں! تو ایک جگہ چاند دیکھ کر تمام بلاد میں حکم لگانا اس بات کو لازم بناتا ہے کہ زمین سطح ہے جیسا کہ رافعی نے شرح الوجہ میں کہا (ص ۲۷۱ جز ۱۱) اور یہ نظریہ ہیئت کے ماہرین کے متفقہ فیصلے کے مطابق باطل ہے وہ کہتے ہیں کہ زمین کروی ہے اور جس چیز کی بنا باطل ہو وہ خود بھی باطل ہے۔

شوافع میں ہمارے پیش کردہ مؤقف کے تائید میں امام الحرمین، غزالی اور امام لغویؒ کا نام بھی آتا ہے رافعی نے اپنی شرح صغیر اور المحرر میں اسے ہی صحیح قرار دیا ہے۔ رافعی نے حاشیہ اثناع میں بھی لکھا ہے (جو شافعی مسائل فرعیہ میں ہے) چاند کی رویت نہ دیکھنے والوں کے حق میں بھی ثابت ہو جائے گی جب کہ مطلع (ایک ہو یعنی غروب سورج دو کواکب اور ان کا طلوع دونوں شہروں میں ایک وقت میں ہو لیکن اگر کسی شہر میں طلوع اور غروب پہلے ہوتا ہے دوسرے میں بعد کو۔ تو چاند نہ دیکھنے والوں پر حکم واجب نہیں۔ اس امر کا مرجع طول بلد اور عرض بلد ہے۔ مسافت قریب ہو یا بعید۔

ہاں بلد شرقی میں اگر رویت حاصل ہوئی ہے تو بلد مغربیہ میں ضرور ہونی چاہیے اس کا برعکس نہیں مثلاً مکہ شرفہ اور مصر کو لیجیے اگر مکہ میں چاند نظر آ گیا تو مصر میں لازماً نظر آنے کا مگر مصر میں نظر آنے سے لازم نہیں



کہ مکہ میں بھی نظر آجائے، انتہی۔ امام نووی رحمہ اللہ کرب و الیٰ مدینہ ابن عباسؓ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ لوگ ایک شہر میں چاند دیکھ لیں تو اس کا حکم دُور والوں کے لیے ثابت نہیں ہوگا۔ ہمارے بعض اصحاب کہتے ہیں ایک جگہ کی رویت کا حکم تمام زمین والوں کو عادی ہوگا۔ وہ کہتے ہیں کہ ابن عباسؓ نے کرب کی خبر پر عمل اس لیے نہیں کیا تھا کہ شہادت ایک آدمی کے قول سے ثابت نہیں ہوتی لیکن ظاہر حدیث سے یہ واضح ہے کہ ابن عباسؓ نے اس بات کو اس لیے رد نہیں کیا بلکہ اس بنا پر کہ دُور والوں کے لیے رویت کا حکم ثابت نہیں ہوتا ہے۔

شواہد کے اقوال اس بارے میں بکثرت ملتے ہیں ان کا استقصاء کر کے ہم طوالت نہیں کرنا چاہتے۔ بہر حال اختلافِ مطالع کی صورت میں اقوال ائمہ حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ سے ثابت ہو گیا کہ ایک شہر کی رویت سے دوسرے شہر کے لیے رویت کا حکم لازم نہیں ہوگا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ مطالع کے مختلف ہونے پر اتفاق نقل کر چکے ہیں۔ ان حالات میں یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ایک بلد میں رویت ہونے سے دنیا کے تمام مسلمانوں پر نوزہ اور افطار لازم کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصریحات بھی اسی امر پر دال ہیں کہ ایک شہر کی رویت وہیں کے باشندوں کے لیے ہے۔ صحابہ کرامؓ تابعین کا عمل بھی اسی پر ہے۔ ان میں سے کسی سے بھی یہ منقول نہیں کہ انھوں نے چاند دیکھ کر دوسرے علاقوں میں لکھا ہو کہ ہم نے چاند دیکھ لیا ہے لہذا تم ایک دن کی قضا کرو۔ اگر کبھی ایسا ہوتا تو اس مسئلہ کی عمومیت اور اہمیت کا تقاضا تھا کہ ضروریہ نقل ہو کر ہم تک پہنچتا لہذا ثابت ہوا کہ دوسرے مسائل اوقات کی طرح، اس میں بھی ہر علاقہ کے لوگ اپنی ہی رویت کا اعتبار کرتے تھے۔

فقہائے حنابلہ کے اقوال: اب علمائے حنابلہ کے اقوال بھی ملاحظہ فرمائیں۔

الانصاف میں ہے: ”ایک شہر والے چاند دیکھ لیں تو تمام لوگوں پر روزہ لازم ہو جائے گا۔ مطالع ایک ہو یا مختلف۔“

یہ اصل مذہب ہے۔ لیکن یہ مسلک مفادات سے ہے (شیخ الاسلام) ابن تیمیہؒ کا مختصر یہ ہے کہ ”جس شہر میں چاند نظر آئے وہاں کے باشندوں پر جس طرح روزہ لازم ہوگا ان پر بھی ہوگا..... جو اس مطلع کے قرب میں رہتے ہیں۔ نیز وہ کہتے ہیں۔ مطالع کے اعتبار اختلاف میں اہل معرفت کا اتفاق ہے۔ اگر مطلع ایک ہو، پھر تو روزہ لازم ہے بصورت دیگر نہیں۔“

(کتاب) الرعاۃ الکبریٰ میں ہے۔ جس نے نہیں دیکھا اس پر بھی وہ حکم لازم ہو جائے گا جو دیکھنے والے پر ہے تاہم یہ اسی کے لیے ہے جو قریبی مطلع میں ہے یا دونوں کا مطلع ایک ہی ہو مگر مسافت قصر

سے کم مسافت میں۔ مطلع مختلف ہے اور اگر مسافت، مسافتِ قصر سے زیادہ ہے تو یہ حکم نہیں۔ انتہی بلوغاً۔ صاحب الانصاف نے مراحت کی ہے کہ یہ مذہب کہ رویت کا اعتبار ہر ایک کے لیے ہو چاہے مطلع ایک ہو یا مختلف۔ مفردات سے ہے یعنی جمہور کے مسلک کے خلاف ہے۔ ناظم المفردات نے اس شعر میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

اذا داعی الهلال اهل بلد صام جميع الناس في الجود

شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ایک شہر میں رویت ہو جانے سے تمام مسلمانوں پر روزہ اور انفرادی لازم کرنا صرف امام احمد کا ہی مذہب ہے لیکن درحقیقت بات ایسے نہیں کیونکہ امام احمد کے ساتھ فقہانے بالکلیہ خفیہ کی ایک جماعت اور بعض شوافع کا بھی یہی نظریہ ہے مگر حق وہی مسلک ہے جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ ہر علاقے کے لیے اسی علاقے والوں کی رویت کا اعتبار ہوتا ہے۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں۔ اختلافِ مطلع میں اہل معرفت کا اتفاق ہے۔ اگر مطلع ایک ہو تو روزہ رکھنا لازم ہوگا ورنہ نہیں۔ شافعیہ کا صحیح ترین قول یہی ہے اور ایک قول میں امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے۔

نیز فرمایا۔ مشرق و مغرب کے اختلاف سے چاند کی رویت مختلف ہو جاتی ہے۔ مشرق میں اگر چاند نظر آ جائے تو مغرب میں ضرور دیکھا جائے گا۔ لیکن مغرب میں دیکھنے سے مشرق میں دیکھا جانا ضروری نہیں۔ کیونکہ مغرب میں سورج کا غروب دیر سے ہوتا ہے۔ اس اثنا میں چاند سورج سے کچھ اور دور ہو کر مزید روشن ہو چکا ہوگا۔ تو مغرب میں رویت اور بھی واضح ہوگی، مغرب میں چاند کے نظر آنے سے مشرق کے لیے ایسا نہیں ہو سکتا اٹھا چاند اور بھی مشرقی علاقہ سے دور چلا جائے گا۔ یوں سمجھئے کہ مشرق میں سورج کے غروب کے وقت چاند سورج کے قریب تھا جب مغرب میں چاند نظر آئے تو مشرق والوں سے چاند بھی غروب کر چکا ہے۔ رویت کیسے ممکن ہوگی۔ چاند سورج اور دوسرے سیارگانِ فلکی کے بارہ میں یہ بات مشاہدہ کی ہے۔ دیکھیے مغرب میں مغرب کا وقت ہو تو مشرق میں بھی ضرور ہوگا اس کے برعکس نہیں۔ ایسے ہی مغرب میں طلوع ہو جائے تو مشرق میں ضرور چاند ہوگا اس کے الٹ نہیں ہو سکتا۔ پس چاند کا طلوع اور رویت مغرب میں پہلے ہوتے ہیں چاند کے سوا فضا کے سادی میں دوسرا کوئی تیارہ نہیں جس کا طلوع مغرب سے ہوتا ہو اور اس بنا پر کہ اس کا سبب ظہور، سورج سے دوری ہوتی ہے تو جتنا اس کا غروب متاخر ہوگا یہ اتنا ہی سورج سے دور ہوتا چلا جائے گا۔

نیز فرمایا۔ اس کی دلیل ہمارا یہ یقینی علم ہے کہ صحابہؓ اور تابعین بعض شہروں میں پہلے چاند



دیکھ لیتے کچھ دوسرے شہروں میں بعد کو دیکھتے یہ ایک عام قدرتی معمول ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ سارے ماہ کے دوران ان کے پاس ایک دوسرے کی خبریں بھی پہنچ جاتی ہوں گی۔ اگر بعد میں دیکھنے والوں پر قضا روزہ واجب ہوتا تو تمام بلدان اسلام میں رویت ہلال کے بارہ میں اسلاف، معلومات حاصل کرنے کے لیے پوری قوت اور وسائل استعمال کرتے جیسا کہ ایک شہر میں چاند کے بارہ میں کیا جاتا ہے اور پھر اکثر مہینہ ہائے رمضان میں قضا کسی نہ کسی جگہ منور ثابت ہوتی۔ اگر ایسا ہو چکا ہوتا تو نقل و در نقل کے ذریعہ یہ باتیں ہم تک ضرور پہنچ جاتیں۔ مگر ایسی کوئی چیز ہم تک نہیں پہنچی تو معلوم ہوا کہ اس کی کوئی اصل نہیں۔ ابن عباسؓ کی مذکورۃ الصدر حدیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

یہ ہیں تمام مذاہب کے اہل علم اکابر کے اقوال جن سے پتہ چلتا ہے کہ کسی شہر والوں کے چاند دیکھ لینے سے دور دراز کے بلاد میں عمل کرنا لازم نہیں ہوتا جبکہ مطالع میں اختلاف ہو۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ اس بارے میں ایک دوسرے کی طرف خط و کتابت نہیں کرتے تھے اور نہ ہی دوسرے شہروں میں چاند دیکھنے کے چھپے پڑتے تھے۔ علماء مذکورہ کا استدلال حضرت ابن عباسؓ کی مذکورہ حدیث اور حدیث صومالودیتہ و اقطع و سرودیتہ سے ہے کہ ہر ایک علاقہ والوں کے لیے ان کا اپنا دیکھنا مقبر ہے۔ اس بارہ میں ہم نے علماء کے اقوال جو نقل کیے انھیں پرکھا کرتے ہیں۔ طالبین حق کے لیے یہ بس ہے اور اس میں کفایت ہے۔ واللہ العرفق الہادی الی سواہ السبیل۔

رویت ہلال کا مسئلہ علم ہیئت اور جدید جغرافیہ کی روشنی میں۔ یہ ہے کہ سورج کے غروب کے وقت چاند اگر کسی بلد میں آٹھ درجے اونچا ہے یعنی اتنا اونچا ہے کہ سورج کے غروب ہونے کے بعد تیس منٹ تک رہے گا تو ایسا چاند شرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک ضرور موجود ہے۔ اگر کوئی رکاوٹ بادل، غبار یا اسی قسم کی کوئی اور کشیف چیزیں درمیان میں حائل نہ ہوں تو اس بلد سے شرق میں مذکورہ مسافت تک یہ چاند ضرور افق پر دیکھا جاسکے گا۔ بعض علم ہیئت والوں کا کہنا ہے کہ چاند ہر ستر میل پر ایک درجہ بڑھتا ہے اور کم ہوتا ہے یعنی جس شہر رویت میں چاند آٹھ درجہ تھا اس بلد سے ستر میل شرق میں جو شہر ہے وہ سات درجے پر واقع ہوگا اور اس بلد سے جو بلد ستر میل مغرب میں ہے وہاں چاند نو درجے پر ہوگا۔

جب ایک شہر میں چاند نظر آجائے تو اس شہر سے مغرب میں جو شہر موجود ہیں سب میں چاند ضرور ہوگا یہ علم ہیئت کے مسلمات سے ہے اور اگر کسی غریبی شہر میں چاند دیکھ لیا جائے تو اس شہر سے شرق میں پانچ سو ساٹھ میل تک چاند کا اعتبار کیا جائے لیکن مغربی بلاد میں مطلقاً اعتبار ہوگا



کسی مسافت معینہ کی قید لگائے بغیر۔ واللہ اعلم۔ انتہی۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح)

شیخ محمد بن عبد الوہاب بن عبد الرزاق۔ اپنی کتاب خلاصۃ العذب الزلال میں لکھتے ہیں۔

یہ بدیہی بات ہے کہ سورج اور چاند کا اجتماع آن واحد میں واقع ہوتا ہے۔ اطراف عالم اور بلاد مختلفہ کے اختلاف سے اس میں تعدد نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ اجتماع فلک پر ہے اور یہ کوئی امور نسبیہ سے نہیں کہ جن کا تعلق اطوال بلاد کے اختلاف سے ہو۔

مثلاً فرض کیجیے مراکش کی نسبت سے سورج اور چاند کا اجتماع بارہ بجے دن ہے تو یہی لحظہ دنیا کے دوسرے شہروں میں ان کے اجتماع کا وقت ہوگا۔ حالانکہ اس وقت الجزائر میں بارہ بج کر چوالیس منٹ کا وقت ہے۔ تیونس میں ایک بج کر تیرہ منٹ۔ قاہرہ میں دو بج کر سینتیس منٹ۔ مکہ اور مدینہ میں تین بج کر بارہ منٹ۔ بمبئی (انڈیا) میں پانچ بج کر تیس منٹ۔ ٹوکیو (جاپان) میں سات بج کر نو بج کر اکیادھ منٹ۔ ہادامی میں دو بج کر بارہ منٹ رات۔ نیویارک میں سات بج کر پینتیس منٹ صبح کا وقت ہوگا۔

سو وقت اجتماع ایک ہے لیکن ہماری نسبت سے زوال ہے۔ مکہ اور مدینہ میں عصر کا وقت، بمبئی میں مغرب کا وقت، ٹوکیو میں آدھ رات کے قریب، ہادامی میں فجر کا وقت اور نیویارک میں سورج کے طلوع کا وقت ہے۔ بعینہ یہی بات خوفِ قمر کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے۔ اس لیے کہ چاند کی بدو، توسط اور مکمل روشن ہونا یہ طول بلد کے اختلاف سے رونما ہوتا ہے۔ انتہی۔ اس قسم کی تفصیل سے مطالع ہلال کا مختلف ہونا واضح ہو جاتا ہے مثلاً مغرب میں جب چاند دیکھ

لیا گیا تو مشرق میں دوسری رات ممکن ہوگا اس لیے کہ چاند مغرب میں شاعوں سے معمولی پچھے ہٹا ہے اور نظر آگیا ہے مگر مشرق میں جب تھا شاعوں میں لپٹا ہوا تھا۔ اس کا دیکھنا ممکن نہیں تھا اس لیے کہ ان بلاد میں طویل مسافت ہے اور طول البلد و عرض البلد میں بھی اختلاف ہے۔ علامہ احمد بن محمد السلاوی التطوانی کہتے ہیں سورج اور چاند فلک بروج کے ایک درجہ میں اجتماع واحد شئی ہے نواحی اور شہروں کے اعتبار سے اس میں تعدد نہیں ہونا اور نہ ہی یہ امور نسبیہ سے ہے کہ طول کے اختلاف سے اس میں اختلاف ہو جائے جیسا کہ طلوع غروب اور زوال کا معاملہ ہے۔ بنا بریں اگر ہم فرض کرتے ہیں کہ ان کا اجتماع برج حمل کے پہلے درجے میں تھا جب کہ قوس میل اور قوس نہار مساوی ہوتے ہیں یعنی ہر ایک بارہ گھنٹے کے ہوتے ہیں اور یہ اجتماع "فاس" کے نصف میل کے خط میں واقع ہوا۔ اور یہ بھی فرض کر لیا جائے کہ اجتماع کے وقت سے اقل مدت جس کے بعد رؤیت چاند ممکن ہو جاتی ہے۔

اٹھارہ گھنٹے ہے۔ تو فاس میں رویت کا وقت جب آئے گا یعنی غروب سورج کے وقت۔ تو اہل فاس کی نسبت سے اٹھارہ گھنٹے گزر چکے ہیں اس لیے انہیں چاند نظر آجائے گا مگر اسی دن مکہ والوں پر جب غروب سورج ہوا تھا۔ اجتماع کے وقت سے اس وقت تک چونکہ اٹھارہ گھنٹے نہیں گزرے ہیں اس لیے ان کی نسبت سے چاند کی رویت ممکن نہیں ہے۔ ان کو چاند اگلے دن نظر آئے گا کیوں کہ اجتماع کے وقت سے پندرہ گھنٹے ہی پورے ہوئے ہیں اس لیے کہ مکہ والوں کا سورج تین گھنٹے پہلے غروب ہو چکا ہے۔ یاد رہے کہ اور اس میں تین گھنٹہ کا فرق ہے کیونکہ دونوں میں ۵۴ درجہ کی مسافت طول ہے جو کہ تین گھنٹہ کی بنتی ہے۔ ۱۔ ۵۔

شیخ طنطاوی جو ہری اپنے رسالے میں لکھتے ہیں: "جبنا بلاد مغربی جہت میں دور ہوتے جائیں گے اسی قدر چاند در نمایاں ہوتا جائے گا اور رویت ہلال کی ابتداء جس خط طول پر واقع ہوئی اس سے مشرق میں واقع شہروں میں اگلی رات چاند نظر آئے گا۔ کرب کی حدیث کو دیکھیں کہ شام میں انہوں نے چاند جمعہ کی رات کو دیکھا مگر اہل مدینہ نے ہفتہ کی رات کو۔ دمشق کو دیکھیں خط طول مشرقی جزینہ (۲۵) پر واقع ہے اور مدینہ خط طول مشرقی (۲۴) پر۔" اس کے بعد شیخ نے مرصد علوان کے مدیر عام کا یہ قول نقل کیا ہے۔ جب مکہ مکرمہ میں چاند دیکھنا ممکن ہو تو دمشق (شام) میں اور مصر میں دیکھنا ممکن ہوتا ہے جب مطلع صاف ہو لیکن ان تمام بلاد میں دیکھنا یقینی نہیں ہوگا جو خط طول پر واقع ہیں مگر اس صورت میں کہ خط عرض میں اختلاف ہو۔

شیخ طنطاوی جو ہری مزید لکھتے ہیں: "ہر وہ شہر جس میں سچ مح چاند کی رویت ہو جائے تو اس کے مغرب میں واقع تمام شہروں میں قطعاً چاند دیکھا جائے گا اور وہ چاند زیادہ دافح اور زیادہ روشن ہوگا۔ نظر آجائے یا کسی مانع کی وجہ سے نہ دیکھا جاسکے لیکن بلد مغربی میں چاند کی رویت سے بلد مشرقی میں رویت لازمی نہیں۔ مغربی بلد سے مراد کم طول والا اور مشرقی بلد سے مراد زیادہ طول والا ہے مثلاً اہل کویت اگر چاند دیکھ لیتے ہیں جن کا طول بلد ۲۸ ہے تو ضروری نہیں کہ اہل مسقط بھی دیکھ سکیں کیونکہ ان کا طول ۲۸ ہے اور یہ کویت سے مشرق میں ہے۔ اسی طرح اہل شارقہ جس کا طول ۲۵ درجہ ہے اور قطیف والے جس کا طول پچاس درجہ ہے، بھی نہیں دیکھ سکیں گے۔

مگر اہل بغداد جس کا طول ۳۴ درجہ ہے اور نجف والے جس کا طول ۳۴ درجہ ہے اور کربلا جس کا طول ۳۴ درجہ ہے اور سادات والے جس کا طول ۳۵ درجہ ہے دیکھ لیں گے۔ اسی اصول پر قیاس کرتے جائیے۔



باقی رہی یہ بات کہ اگر دو بلد طول و عرض میں برابر ہیں جس طرح "بروسیا" والے ایشیائے کوچک میں اور سکندرا اور ساہیان" یہ تمام طول (۳۹) درجہ پر ہیں اور ان کا عرض چالیس کے قریب قریب ہے۔ ہم فیصلہ کریں گے ان تمام میں ایک ہی وقت چاند ظہور کرے گا اور اگر طول میں سادی ہیں مگر عرض میں اختلاف ہے جیسا کہ عجم میں تبریز شہر ہے جس کا طول  $۳۶\frac{1}{2}$  ہے اور بصرہ جس کا طول ۳۴ ہے مگر پہلے کا عرض ۳۸ ہے اور دوسرے کا ۳۰۔ تو اس میں یہ غور فکر کرنا ہوگا احتمال ہے کہ چاند نظر آجائے کیونکہ دونوں ایک طول پر ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ نہ دیکھا جاسکے کیونکہ عرض میں اختلاف ہے۔ اگرچہ اختلاف عرض کا اثر بہت کم ہوتا ہے مگر کچھ نہ کچھ ہوتا ضرور ہے۔

موجودہ سیاسی حالات میں تمام ملکوں میں رویت کے احکام کی وحدت بگے خوفناک نتائج!۔ جو لوگ ہمارے اس دور میں عالم اسلامی کے سیاسی رجحانات پر نظر رکھتے ہیں کہ مسلمان متفرق حکومتوں کی شکل میں بٹ چکے ہیں اور تعلیمات اسلام سے کوسوں دور ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ دینی جذبہ کم ہو گیا ہے نظریات اور اہداف (نصب العینون) میں دنیاوی اور سیاسی اغراض کی حکمرانی ہے اور ترقی یافتہ حکومتوں کی طرف میلانات ہیں وہ خوب سمجھ سکتے ہیں کہ ایک بلد کی رویت دوسرے بلاد اسلامیہ کے لیے نافذ کرنا اگر درست بھی ہو پھر بھی یہ عملاً ممکن نہ ہو سکے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ اگر ایک ملک میں چاند نظر آجائے تو اگر دوسرا ملک پہلے کے ساتھ اچھے دوستانہ تعلقات رکھتا ہے تو وہاں کے مفتی سے (سیاسی یک جہتی کی بنا پر) اول الذکر کی رویت پر عمل کرنے کا فتویٰ حاصل کر لیا جائے گا اور اگر دونوں حکومتوں کے تعلقات درست نہیں اور ایک میں چاند نظر آجائے تو ہو سکتا ہے حکومتی مفتی بڑی آسانی کے ساتھ فتویٰ صادر فرمادیں کہ ہر ملک کے لیے ان کی اپنی رویت کا اعتبار ہوگا۔

ان حالات میں اسلام کیا ہوا؟ اس کے احکام کیا ہوئے؟ (معاذ اللہ) سیاست اور سیاسی کارندوں کے ہاتھ کا کھلونا، حق کا اعتبار کیے بغیر جس طرح چاہیں گے موڑتے رہیں گے۔ میں کہتا یہ چاہتا ہوں کہ عالم اسلام اس وقت مختلف ریاستوں اور مختلف قومیتوں میں جن کے اہداف مختلف ہیں تقسیم ہو چکا ہے۔ کوئی اہل مغرب (اینگلو امریکن بلاک) کی طرف میلان رکھتا ہے اور کوئی مشرق (روسی بلاک) کی طرف جھکا ہوا ہے اور دوستی اور صداقت بھی اسی اصول سے ہے پھر اس حد پر بھی نہیں ٹھہرے بلکہ شرعی احکام کو اپنے سیاسی استجابات اور دنیاوی اغراض کے ماتحت منانے پر تلے ہوئے ہیں۔ وہ روزہ رکھیں گے اگر کسی دوست ملک میں چاند نظر آگیا اور افطار



بھی کریں گے اور اگر مخالفت میلانات والے ملک میں چاند نظر آیا تو نہ روزہ نہ افطار۔

خلاصہ المرام اس میں کہ :- بالفرض اگر مسئلہ حق اسی کو مان لیا جائے کہ ایک بلد میں رویت تمام بلاد اسلامیہ کے لیے رویت کا حکم رکھتی ہے تو بھی اس کا عملی نفاذ کسی صورت ممکن نہیں ہے۔ رابطہ عالم اسلامی اور دوسری اسلامی تنظیمیں کتنی ہی قراردادیں کیوں نہ پاس کرتی رہیں۔ فاللہ المستعان۔

تاہم بھدا اللہ تعالیٰ حق نہایت واضح اور درخشاں ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر علاقہ کے لیے اسی علاقہ میں چاند دیکھنے کا اعتبار کیا جانا چاہیے جیسا کہ ہم نے اس کی پوری پوری توضیح کی ہے۔ اس بارہ میں ہم نے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسالک علماء اہل جملہ پر اعتماد کیا ہے۔ واللہ اعلم و صلی اللہ علی محمد و علی آلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا

# صبح کی نماز کا اول وقت اور اس کا مننون طریقہ

گرامی قدر - مولانا صاحب؛ دام فیضہ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔  
کتاب و سنت اور فقہ حنفی سے فجر کی نماز کے اول اور آخری وقت کے متعلق مفصل تحریر  
فرمائیں۔ والسلام۔

حافظ محمد طفیل - منڈی دار برٹن - ضلع شیخوپورہ (دسمبر ۱۹۷۴ء)

## الجواب وهو اللہم بالصواب

کتاب و سنت اور کتب اخاف کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کی نماز اندھیرے (غلس) میں شروع کی جائے۔ باقی رہا اس کا اختتام؛ سوراقم الحروف کے نزدیک اندھیرے میں ہی ختم کی جائے یا اتنا لبا قیام اور لمبی قرأت کی جائے کہ صبح معروف مننون میں روشن ہو جائے۔ ظاہر ہے اس کو خواہ ذکر صورت میں اجر بھی زیادہ ہوگا۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں صورتیں مننون ہیں (و غلس سے غلس تک۔ غلس سے اسفاؤ تک)

غلس کتاب اللہ سے:۔ قرآن حکیم کا ارشاد ہے:

سَابِقُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَبِّكُمْ وَالْآيَةِ دِيكٌ (الحديد ۲)

”دوڑو اپنے رب کی معافی کو۔“ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر)

”دوڑو اپنے رب کی معافی کی طرف کو“ (ترجمہ شیخ الہند اساذ مولانا انور شاہ کشمیری)

”یعنی موت سے پہلے وہ سامان کرو جس سے کوتاہیاں معاف ہوں..... اس کام میں سستی اور دیر کرنا مناسب نہیں۔“ (مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی)

چونکہ موت کا کچھ پتہ نہیں کہ کب آجائے، اس لیے وقت آجائے تو اس سلسلے میں سستی مناسب نہیں ہے۔ اٹھو اور پہلے ہی مرحلہ میں وہ کام کرو جو آپ کے ذمے ہو گیا ہے۔ چنانچہ حج کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے شاگرد حضرت امام ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ کا یہ

فتویٰ ہے کہ: جب استطاعت ہو جائے تو حج اسی سال ہی کر لینا چاہیے۔  
 ماہنامہ محدث 1975، جلد نمبر 5، جنوری، فروری

وهو واجب على الفور عند أبي يوسف ومن أبي حنيفة ما يدل عليه (هذا كتاب الجع ٢٢٢)  
 حضرت امام ابو حنیفہ سے سوال کیا گیا کہ: ایک شخص کے پاس مال ہے۔ اسے پہلے حج کرنا چاہیے  
 یا شادی؟ فرمایا: حج! علمائے اخاف لکھتے ہیں کہ یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ حج فوری کر لینا چاہیے۔  
 وهو انه مثل من له مال يحج امره تزوج فهذا دليل على ان الواجب عندنا على الفور كذا  
 في الكافي (حاشیہ ہدایہ ۳۳۷)

امام کرخی (دف ۳۳۷) اور حضرت امام ابو منصور مازندرانی (دف ۳۳۷) جیسے ائمہ اخاف کا  
 بھی یہی نظریہ ہے۔

وفي التبعة والبدائع عن الكوخي انه على الفور حالام الامم ابو منصور ما تریدی يحمل مطلق  
 الامر على الفور حاشیہ ہدایہ ۳۳۷  
 فوری کے معنی یہ کیسے ہیں کہ: جہاں تک میں میں ہو جلدی جلدی اول وقت میں کر لینا چاہیے۔  
 والمراد عن الفور ان يلزم العامر فعل المأمور به في اول اوقات الامكان مستعرا للسرعة  
 (حاشیہ ہدایہ ۳۳۷)

ہدایہ کے مؤلف امام علی بن ابی بکر الفرغانی (دف ۵۹۲) اس کی وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ:  
 حج سال میں ایک دفعہ آتا ہے اور سال بھر میں مرجانا انہونی بات نہیں ہے اس لیے افضل ہے  
 کہ جلدی کی جائے۔

وجه الاول انه يخص بوقت خاص والموت في سنة واحدة غير نادر فيتضييق احتياطا  
 ولهذا كان التعجيل افضل (هدایہ ۳۳۷)

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ اگر اس دیری میں وہ فوت ہو گیا تو گنہگار ہوگا۔

ياشم بالتأخير عند أبي يوسف (حاشیہ ۳۳۷)

گر صاحب ہدایہ نے نماز کو اس کلیہ سے مستثنیٰ کرنے کی کوشش فرمائی ہے کہ: نماز کے ٹائم میں موت  
 نادر بات ہے۔

بخلاف وقت الصلاة لان الموت في مثله نادر (كتاب الجع ۳۳۷)

لیکن یہاں اختلاف گنہگار ہونے میں نہیں ہے بلکہ افضلیت میں ہے۔ اس لیے جب موت کا  
 احتمال یہاں موجود ہے بلکہ بہت سے بزرگوں کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ غلال صاحب سجدہ میں



باقیم میں فوت ہو گئے، تو معلوم ہوا کہ نماز کا سارا وقت گزری بات، خود نماز میں یہ حادثہ ممکن الوقوع ہے۔ اور ہوتا رہا ہے۔ اس لیے افضلیت کی حد تک اس احتمال کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کیونکہ احتیاط اسی میں ہے اس لیے فرمایا۔

حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ رَبِّ - (بقوہ - ۴)

خبردار رہو نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے (موضح)

حضرت مسروق (ف ۶۲ھ) اس کے معنی وقت پر ادا کرنے کے کرتے ہیں۔

قال الحافظ علی الصلوۃ، الصلوۃ لوقتہا (مصنف ابن ابی شیبہ)

گنہداشت اور حفاظت کا طریقہ اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ پورے آداب کے ساتھ اول وقت پر

ادا کر لی جائے، کیا خبر کہ اگلی گھڑی میں کیا پیش آ جائے

امام ابن حزم (ف ۴۰۶ھ) نے اول وقت کی افضلیت کے سلسلے میں ان آیات سے استدلال کیا ہے۔

سَادِعُوا - ۱۔ وَ سَادِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ رَبِّ - (الی عمران ۴۳) (معلیٰ ۱۲۲)

اور اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف پکڑو۔ (تذیر احمد)

اور دوڑو طرف بخشش اپنے رب کی۔ (موضح محدث دہلوی)

اور دوڑو اپنے رب کی بخشش کی جانب۔ (ترجمہ عاشق الہی تلمیذ شیخ الہند)

اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی (ترجمہ شیخ الہند)

امام ابن حزم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ، دوڑنے کے حکم کا تقاضا ہے کہ: دیر نہ کی جائے، اول وقت میں

ادا کرنے کی کوشش کی جائے، کیونکہ بیٹھ بیٹھ کر آخر میں دوڑنے کے کوئی معنی نہیں بنتے۔ دوڑنے کا تقاضا

یہ ہوتا ہے کہ حکم ملتے ہی اٹھ کھڑا ہو۔ اور اس سلسلے کے لوازمات کی تکمیل میں لگ جائے۔

الْمَسَابِقُونَ - ۲۔ أَسَابِقُونَ إِلَىٰ يَمُوتُ هَٰؤُلَاءِ الْمَقَرَّبُونَ رَبِّ - (الواقعة ۴۱)

ترجمہ - ۱۔ اور اگاڑی والے سوا گاڑی والے، وہ لوگ ہیں پاس والے (موضح)

۲۔ اور اگاڑی والے تو اگاڑی والے، وہ لوگ ہیں مقرب (شیخ الہند)

۳۔ ادا گئے نکل جانے والے جو آگے ہیں (سب سے) یہی مقرب لوگ ہیں (تلمیذ شیخ الہند، عاشق علی)

امام ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کی تفسیر دوسرے اکثر مفسرین سے تقریباً مختلف کی ہے، ان کا

خیال ہے کہ سابقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو خیر اور نیکی کے کاموں میں سبقت کیا کرتے تھے، اور دوڑ کر

اسے جالیتے تھے، فرماتے ہیں کہ خیر کے کاموں میں مارست اور مابقت کی افضلیت نص قرآن سے ثابت ہے۔

فہم ان الفجر۔ قرآن حکیم میں ہے۔

وَقُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا (پ)

مختلف تراجم و تفاسیر۔ ۱۔ اور قرآن پڑھنا فجر کا، بے شک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے۔ (موضح القرآن شاہ عبدالقادر دہلوی)

۲۔ اور قرآن پڑھو فجر کو، بیشک قرآن فجر میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔ (تلمیذ شیخ الہند دیوبندی)

چونکہ نماز صبح میں رات کے محافظ اور دن کے محافظ فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے اس کو مشہود فرمایا۔  
(تلمیذ شیخ الہند)

حدیث میں ہے کہ فجر و عصر کے وقت دن اور رات کے فرشتوں کی بدلی ہوتی ہے، لہذا دو وقتوں میں پل نہا کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے تو ہماری قرات اور نماز ان کے روبرو ہوئی جو مزید برکت و سکینہ کا موجب ہے اور اس وقت اوپر جانے والے فرشتے خدا کے یہاں شہادت دیں گے کہ جب ہم گئے تب بھی ہم نے تیرے بندوں کو نماز پڑھتے دیکھا اور جب آئے تب بھی۔ (عاشیہ مولانا شبیر احمد عثمانی دیوبندی)

۳۔ اور صبح کا قرآن بے شک صبح کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں مگر کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن مولانا احمد رضا خاں بریلوی)

حاشیہ ۱، یعنی نماز فجر میں رات کے فرشتے بھی موجود ہوتے ہیں اور دن کے فرشتے بھی آجاتے ہیں  
(خزان العرفان فی تفسیر القرآن از سید محمد نعیم مراد آبادی بریلوی)

یہ تراجم و حواشی زیادہ تر حنفی بزرگوں کے ہیں، جو دیوبندی اور ان کے اکابر ہیں یا بریلوی ہیں اور ان کے رہنا۔

فرشتوں کی یہ ڈیوٹی عصر اور فجر کا وقت ہوتے ہی بدلتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ اول ہی وقت کی بات ہو سکتی ہے، کیونکہ آنے والے نے بتایا کہ جب ہم پہنچے تو وہ نماز میں تھے۔

اگر نماز اس وقت شروع کی جب چوٹی نظر آنے لگی تو ظاہر ہے جب وہ آئے نمازی، نماز میں تو نہ دیکھے۔ حنفی علی صبح کے وقت کو جمعیت غاٹر کا وقت بھی قرار دیتے ہیں (عاشیہ مولانا عثمانی دیوبندی) تو ظاہر ہے کہ جمعیت غاٹر کے لیے صبح کا اول وقت ہی سازگار ہو سکتا ہے، کیونکہ ابھی فضاؤں پر سناٹا چھایا ہوتا ہے، جب فقہی اسفار شروع ہو جاتا ہے، فضاؤں میں کھرام برپا ہو جاتا ہے۔ جمعیت کے سامان کہاں؟ یہی وجہ ہے کہ نماز عشا کو اول وقت کے بجائے بعد کے ان اوقات میں پڑھنا افضل بنا یا گیا ہے، جن میں

”ہو کا عالم“ طاری ہو جاتا ہے کیونکہ اس میں جمعیتِ خاطر کے سامان زیادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لیے تہجد کی کیفیت بھی زیادہ آئی ہے مگر یا کہ نماز عشاء کے استغفار کی وجہ بھی یہی ”ساعتِ جمعیت“ ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی یہی حکمت بیان فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں۔

وكان احق ما يورى فيه الصلاة وقت خلوا النفس عن الالحاح الاشغال المعاشية المنسية  
ذكر الله بمصادف قلبا فارغا فتمكن منه ويكون اشده تأثيرا فيه وهو قوله تعالى : وقرآن الفجر اذ  
تدان الفجر كان مشهوفا رجعة الله اليه (م)

اسفار، چونکہ اشغالِ منیہ کا محل ہے اس لیے اس میں جو نماز پڑھی جائے گی، اس نے حضورِ قلب غلط تاثر ہو سکتا ہے۔ ایسی صورت میں افضل یہی رہے گا کہ غلص میں نماز شروع کی جائے جو جمعیتِ خاطر کا بہترین ضامن ہے۔ اگر یہ حکمت غلص (اندر میرے) میں مضمون ہوتی تو نماز عشاء کو زیادہ مؤخر کرنے اور حزنہ میں تہجد پڑھنے میں زیادہ اجر نہ ہوتا۔

علامہ ابوالحسن السندی حنفی (ف ۱۱۲۸ھ) لکھتے ہیں کہ اس وقت دونوں طرف کے ملائکہ کے اجتماع کا یہ تقاضا ہے کہ نماز اس وقت ادا کی جائے اور یہ استنباط نہایت دقیق ہے۔

يمكن ان يرخذن من هذا التقدير المرفوع انه ينبغي ايقاع هذا الصلاة في الغلص اول ما  
يطلع النهار بشرعى اذا انظر احوال ذات هو وقت نزول ملائكة النهار وطلع ملائكة الليل  
فاجتماع الطائفتين في هذه الصلاة يقتضى ادائها في مثل هذا الوقت وهذا استنباط دقيق۔  
(شرح ابن ماجہ ص ۲۹)

غلص

سنت رسول اللہ۔ اس سلسلے میں دو قسم کی روایتیں پیش کی جاسکتی ہیں، ایک وہ جو عام ہیں دوسری وہ جو خاص ہیں۔

عام احادیث۔ ۱۔ عن علیؑ، ان النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم قال: یا علی ثلاث لا تؤخرها، الصلاة اذا  
انت (ترمذی۔ ابراب الصلاة، باب ما جاء في الوقت الاول)

امام ملا علی قاری مکی حنفی (ف ۱۰۹۴ھ) لکھتے ہیں کہ: راوی ثقہ ہیں: بسند رجالہ ثقات قالہ میر  
(مدقاة ص ۳۶)

ترجمہ: حضور کا ارشاد ہے: اے علیؑ تین باتیں ایسی ہیں جن میں تاخیر نہ کریں، نماز جب وقت ہو جائے الحدیث۔  
۲۔ عن ام فردة وكانت مما يابعت النبي صلى الله عليه وسلم قالت سئل النبي صلى الله عليه وسلم



ای الاموال افضل! قال المصلوۃ لاول وقتها رتعدی باب مذکورہ ابن ابی شیبہ

امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث عمری کے بغیر اور کسی نے روایت نہیں کی اور یہ راوی ضعیف ہے۔  
ملا علی قاری کی حنفی مکتبے ہیں: دوسرے (ائمہ) کہتے ہیں، بلکہ یہ حدیث صحیح ہے۔ قال غیثہ بل ہو حدیث  
صحیح فقہ ابن الملک (مرقات ص ۱۳)

حضرت ام فروۃؓ جس نے حضورؐ کی بیعت کی تھی، فرماتی ہیں کہ کسی نے حضورؐ سے سوال کیا، سب عملوں  
سے افضل کونسا عمل ہے؟ فرمایا: اول وقت میں نماز۔

۳۔ ان رجلا قال لابن مسعود ای العمل افضل؟ قال سالت عنه عن رسول اللہ صلی اللہ  
تعالی علیہ وسلم فقال: المصلوۃ علی مراقیتھا رتعدی ایضا ابن ابی شیبہ ص ۱۳ باب فی قال افضل  
المصلوۃ لم یقاتھا)

کسی نے حضرت ابن مسعودؓ سے پوچھا، کونسا عمل افضل ہے؟ فرمایا میں نے حضور علیہ الصلوۃ والسلام  
اس سے متعلق سوال کیا تھا، آپ نے فرمایا تھا کہ: اپنے وقتوں پر نماز پڑھو الحدیث۔

۴۔ عن عائشہ: قالت ما صلی رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم صلوۃ لوقتھا الاخر مرتین  
حتی قبضہ اللہ تعالی (ترمذی ایضا و مصنف ابن ابی شیبہ)

ترمذی کے موجودہ نسخے میں ہذا حدیث غریب لکھا ہے مگر امام ملا علی قاری حنفی مکتبے ہیں کہ امام  
ترمذی نے کہا ہے یہ حدیث حسن ہے: وقال حسن غریب (مرقات ص ۱۳)  
حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے: حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنے وصال تک دو دفعہ (بھی) نماز  
اخیری وقت میں نہیں پڑھی۔

- عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الوقت الاول من المصلوۃ رضوان اللہ  
والوقت الاخر عفو اللہ رتعدی ایضا)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں، حضورؐ کا ارشاد ہے کہ:  
نماز کے اول وقت میں اللہ کی خوشنودی ہے اور آخر میں صرف درگزر۔  
بعض روایات میں آیا ہے: ووسطہ رحمۃ اللہ (مرقات ص ۱۳) یعنی اس کا درمیانہ حقہ  
اللہ کی رحمت کا موجب ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ: رضوان مبین کا خاصہ ہے اور عفو قصور داروں کا۔ فی شرح السنۃ قال الشافعی  
رضوان اللہ تعالیٰ انما یكون للمبین والعفویشبہ ان یكون للمقصرین فقہ الطیبی (مرقات ص ۱۳)

حافظ ابن حجر عسقلانی (دف ۲۵۲) امام حنفی کی ترغیب و ترہیب سے نقل کرتے ہیں۔

دیویدی عن ابی بکر الصدیقؓ انه قال لما سمع هذا الحديث: رضوان الله احب العیسان

عفوہ (تلخیص الجبر مٹ)

حضرت ابو بکر صدیقؓ سے روایت کی جاتی ہے کہ: جب انھوں نے یہ حدیث سنی تو فرمایا ہمیں رب کی رضا اور خوشنودی اس کے عفو سے زیادہ محبوب ہے۔

گو یہ روایت ضعیف ہے مگر کثرت طرق کی بنا پر حسن لغیر وہ ہے جو حجت ہوتی ہے؛ وقال: حدیث حسن غریب وقال ابن حجر هو ضعیف من سائر طرقہ فلیحمل تحیین فی حسنہ علی انه حسن لغیرہ (مقات مٹ)

بعض بزرگوں نے "اول وقت" والی احادیث کے یہ منی کیے ہیں کہ: آخر وقت سے مراد مکروہ وقت ہے (الکوکب الدر می مٹ)

یہ تاویل ان کو اس لیے کرنا پڑی ہے تاکہ: جن جن نمازوں میں وہ اول وقت کے بھاٹے تاخیر سے پڑھنے کے قائل ہیں، اس پر آپ نہ آئے۔ اصل میں روایات میں مقابلہ، مباح اور مکروہ یا مستحب اور مکروہ اوقات کا نہیں ہے بلکہ مستحب اور جائز بلا کراہت کا ہے۔ کیونکہ وقت مکروہ اور اول وقت متنازع فیہ بات ہی نہیں ہے، سب جانتے ہیں کہ مکروہ کے مقابلے میں اول وقت افضل ہے۔

بہر حال وقت کے تین حصے ہو سکتے ہیں یا اس سے بھی زیادہ، ان میں سے جو حصہ سب سے پہلا ہے، ان روایات میں ان کو مقدم رکھنے کی ترغیب دی گئی ہے اور اسے ہی "اول وقت" قرار دیا گیا ہے اس لیے اسے مکروہ کے مقابلے میں رکھا جائے یا مباح بلا کراہت وقت کے ہر حال میں "اول وقت" سے مراد امانی اول نہیں ہے بلکہ حقیقی اول ہے اور وہ وہی ہے جہاں سے وقت شروع ہوتا ہے۔

گو ان روایات میں سے بیشتر روایات علی الانفراد ضعیف ہیں لیکن جیسا کہ ملا علی قاری حنفی نے امام ابن حجر عسقلانی سے نقل کیا ہے، مجموعی لحاظ سے قوی یعنی حسن لغیرہ ہے۔

خاص احادیث، اسی سلسلے میں دو قسم کی روایات ہیں، ایک وہ ہیں جو اس امر میں نص ہیں کہ غس (ابتدائی وقت، جب ابھی اندھیرا ہوتا ہے) میں نماز پڑھی جائے۔ پھر یہ بھی دو قسم کی ہیں، ایک وہ جو غس سے شروع کر کے غس میں ختم کرنے کی ہمارا ہے اور کچھ وہ ہیں جو غس سے شروع کر کے روشنی میں ختم کرنے کے حق میں ہیں۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں سنون اور افضل ہیں کبھی یہ اور کبھی وہ۔

دوسری روایات ہیں جو اس امر کی متحمل ہیں کہ نماز روشنی میں پڑھی جائے اور روشنی میں ہی ختم کی

جائے۔ ہمارے نزدیک گویہ بھی جائز ہے لیکن افضل نہیں ہے۔

ان روایات کے موضوع میں غلّس سے شروع کر کے اسفار (معروف معنوں میں روشنی تک) یہ لحاظ رکھنا ہوگا کہ نمازی اس کے متحمل بھی ہوں، بہت بوڑھے، بیمار، کمزور یا بہت تھکے ہوئے لوگ شریک ہوں تو پھر افضل غلّس (اندھیرے) سے غلّس تک ہی رہے گا، ورنہ غلّس سے اسفار تک نماز کو مبالغے جانا ہی افضل ہوگا، اس سلسلے کی روایات کو سامنے رکھا جائے تو ان میں تطبیق کی یہی صورت ہی احسن معلوم ہوتی ہے کہ روشنی سے شروع کر کے روشنی میں ختم کرنا جائز ہے مگر افضل نہیں ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تعامل اور صحابہ کے طرز عمل سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ بیان جواز کی بات الگ ہے۔

غلّس والی روایات۔ یہ روایات ان صحابہ سے مروی ہے: حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت زید، حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمر، حضرت سہل بن سعد، حضرت انس، حضرت قیلۃ بنت مخزوم، حضرت البردہ، حضرت جابر بن عبداللہ، حضرت معاویہ، حضرت ام سلمہ، حضرت علی، حضرت ابوسعود انصاری، حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری، حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ، حضرت براء، حضرت ابوسعید خدری، حضرت عمر بن حزم اور حضرت بریدہ رضوان اللہ علیہم۔

ان سب کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غلّس میں یعنی صبح صادق ہوتے ہی اندھیرے اندھیرے میں نماز پڑھا کرتے تھے۔

بعض روایات کے بعض اقتباسات یہ ہیں:

حضرت زیدؓ: سحری کھا کر ہم نے حضور کے ساتھ صبح کی نماز پڑھی، سحری اور جماعت کے درمیان اتنا فرق تھا جتنا پچاس آیتیں تلاوت کرنے سے ہو سکتا ہے:

قَدْ خَمِيسَ اَيَّةٌ رَّبَّاعِيٍّ وَسَلَمٍ

ظاہر ہے ابھی کافی اندھیرا ہی ہوگا۔

حضرت عائشہؓ: فرماتی ہیں کہ ہم پڑھ کر واپس ہوئیں تو اندھیرے کی وجہ سے ہم ایک دوسرے کو پہچان نہیں سکتی تھیں۔

وَلَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغُلّسِ وَفِي رَوَايَةٍ وَلَا يَعْرِفُ بَعْضُهُنَّ بَعْضًا (بخاری)

بعض اوقات پڑھ کر واپس ہوتے تو ایک دوسرے کو پہچاننا باسکتا تھا۔

وَكَانَ يَنْقُطُ مِنْ صَلَاةِ الْعِدَّةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ (بخاری و مسلم)

معلوم ہوا کہ شروع بہر حال اندھیرے میں ہوتی تھی۔



بعض بزرگوں نے حضرت عائشہ کی روایت کی تائید کی ہے کہ: دراصل وہ اندھیرا اندھیرے کمرے کا تھا جس میں وہ نماز پڑھتی تھیں۔ مگر یہ بات محل نظر ہے۔ دراصل یہ بزرگ سردیوں میں حدیث کا مطالعہ فرما رہے تھے کہ وہ بھی شاید کمرے میں ہوں گی، کیا گرمیوں میں صبح نہیں ہوتی؟ اور کیا ضرور ہے کہ وہ کمرے میں نماز پڑھتی ہوں؟ مالائکہ خواتین کا مسجد میں جا کر نماز پڑھنا ثابت ہے۔

حضرت معاذ: سردیوں میں صبح کی نماز غس (اندھیرے) میں پڑھائیے اور قرأت لمبی رکھیے۔

اذا كان في اشتاء فقلب يا فاجر ما طيل القراءة (شرح السنہ)

حضرت جابر: آپ صبح کی نماز اندھیرے (غس) میں پڑھتے تھے۔

ما لصبح كانوا اذ كان النبي صلى الله عليه وسلم يصليها بغس (بخاری و مسلم)

حضرت انس: آپ خیر کے دنوں میں غس (اندھیرے) میں نماز پڑھی:

صلى رسول الله صلى الله عليه وسلم يوم خيبر صلاة الصبح بغس (النسائي)

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص: صبح کا وقت صبح صادق سے سورج نکلنے تک ہے۔

وقت صلاة الصبح من طلوع الفجر ما لم تطلع الشمس (مسند ابوداؤد و نسائی)

ابو ہریرہ: فجر کا اول وقت صبح صادق ہے۔

ان اول وقت الفجر حين يطلع الفجر (ترمذی)

جبرائیل: جبرائیل امین نے اسی طرح پڑھ کر دکھائی: پہلے پوچھتے ہی اور دوسرے دن قدرے روشنی ہونے پر آپ کو نماز پڑھائی۔

فصلی الصبح حين طلع الفجر..... ثوجارة الغدا فصلی بالصبح حين استقر ليلا (نسائی)

ابو موسیٰ الاشعر: پوچھتے ہی فجر پڑھی ابھی ایک دوسرے کو پہچاننا مشکل تھا۔

فا قام الفجر حين انشق الفجر والناس لا يكاد يعرف بعضهم بعضا (مسلم)

ان میں سے بعض روایات وہ ہیں جن میں امامت جبرائیل یا حضور کا ذکر ہے جس میں تعلیم کے لیے اول اور آخر وقتوں کی نشان دہی کی گئی ہے۔ اور ان میں سے بیشتر روایات امام طحاوی حنفی (دفعہ ۲۱) نے اپنی حدیث کی مشہور کتاب "شرح معانی الآثار" میں بیان فرمائی ہیں۔

حضرت ابوسعود انصاری: فرماتے ہیں حضور نے ایک دفعہ اندھیرے میں پڑھی، پھر روشنی میں، اس کے بعد اپنے ذمہ تک اندھیرے میں ہی پڑھی، روشنی میں پھر نہ پڑھی۔

صلى الصبح مرة بغس ثم صلى مرة اخرى فاستغربها ثم كانت صلاته بعد ذلك التغليس

إلى الامتار حتى قبضه الله عز وجل رشح معاني الآثار، المعروف طحاوي ص ٢٤٦

مات صلى الله تعالى عليه وسلم لم يعيد الى ان يسفر (ابن حبان ٩٢)

ويصل الصبح فيجلس بها ثم صلاها يوما آخر فاسفر ثم لم يعد الى الاسفار حتى قبضه

اللہ تعالیٰ (داد رقعنی ۹۳)

اس سے معلوم ہوا کہ آپ کا معمول "غسل" میں نماز پڑھنے کا تھا۔ صرف ایک دفعہ روشنی میں پڑھی۔ پھر  
تا عمر غسل میں ہی پڑھتے رہے۔ لہذا قاتل عائشہؓ روایات سے پتہ چلتا ہے، یہ بھی صرف نماز صبح کا  
آخری وقت بتانے کے لیے پڑھی یا پڑھاٹی تھی۔ اسی روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ، دوسری جن احادیث  
اسفار کا ذکر ہے، اس سے مراد کوئی روشنی نہیں بلکہ "مدنی" ہے۔ کوئی کے معنی ہیں کہ بالکل دن چڑھ  
جانا جیسا کہ اب اکثر خفیوں کا معمول ہے۔ مدنی سے ہماری مراد صرف "صبح" ہے۔ جیسا کہ حضورؐ کا  
معمول تھا۔

اسی مضمون کی روایت سنن کبریٰ بیہقی میں بھی ہے (مطبوعۃ بیغیۃ الامعی) کچھ بزرگوں نے اس ٹکڑے پر اعتراض کیا ہے اور یہ بھی انکشاف فرمایا ہے کہ امام ابو داؤد کے نزدیک یہ حدیث مطول ہے۔ عللہ ابو داؤد وعندی لا وجہ ومعنا (رفیع الباری ص ۱۲۵)

البدواؤدہلے سامنے ہے اس میں انہوں نے یہ تو فرمایا ہے کہ: فلاں راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے مگر یہ ٹکڑا کسی اور نے بیان نہیں کیا، صرف فلاں نے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو (البدواؤد ص ۱۱۰ باب فی المواقیت) چونکہ یہ زیادہ حقہ ثقہ راوی کا ہے اور اپنے سے اوثق کے خلاف بھی نہیں ہے بلکہ "ماست منہ" کے قبیل سے ہے۔ اس لیے اصول حدیث کی رو سے حجت ہے اس لیے امام البدواؤد اس کی تفسیف نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ شیخ سلام اللہ حفیظ رامپوری (د ۱۳۲۹ھ) محل شرح موطائیں لکھتے ہیں کہ امام البدواؤد نے اس پر سکوت کیا ہے اور ابن خزیمہ نے اس کو صحیح کہا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ امام البدواؤد جس حدیث پر سکوت فرمائیں، کم از کم حسن درجہ کی ضرورت ہوتی ہے امام بیہقی فرماتے ہیں اس حدیث کے

کے سب راوی ثقہ ہیں۔ امام خطابی فرماتے ہیں یہ حدیث صحیح ہے۔

المحدث معا صحابہ بن خزیمہ و مسکت علیہ ابو داؤد و معاسکت ہو علیہ لا یترک من درجۃ الحسن قلک البیہقی وایۃ کلہم ثقات ..... مقال الخطابی ہو حدیث صحیح اسناداً و مستناً (علیٰ شرح موطا للشیخ سلام اللہ حنفی)

ابن عمرو و عبد اللہ بن زبیر۔ حضرت منیث کہتے ہیں میں نے ابن زبیر کے ساتھ غلہ (اندھیرے) میں صبح کی نماز پڑھی تو سلام کے بعد میں نے ابن عمر کی طرف دیکھا اور کہا کہ: یہ کیسی نماز ہے! انہوں نے جواب دیا: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کے ساتھ ہم اسی طرح پڑھا کرتے تھے، جب حضرت عمرؓ کو نیزہ مارا گیا تو حضرت عثمان نے روشنی میں نماز شروع کی۔

ہذا صلاتنا کانت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ابی بکر و عمر فلما طعن عمر اسفروا بہا عثمان (ابن ماجہ باب دقت صلوٰۃ الفجر و طحاوی ص ۲۶) امام ابوالحسن السندی لکھتے ہیں کہ مجمع الزوائد میں ہے کہ اس کی سند صحیح ہے (ص ۲۳) خلقائے راشدین۔ اوپر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا بھی اسی پر عمل تھا (ص ۲۴) امام ترمذی لکھتے ہیں۔

وہو الذی اختارہ غیر واحد من اہل العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم منہما ابوبکر و عمر و من بعدہم من التابعین (باب ما جاء فی التغلیس بالفجر) یہی مسلک بہت سارے اہل علم صحابہ کا تھا ان میں حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ بھی اور ان کے بعد کے تابعین ہیں۔

امام حازمی فرماتے ہیں: یہی مذہب خلقائے راشدین کا تھا، ابوبکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم (کتاب الاعتبار ص ۲)

تابعین واقعہ دین۔ امام ترمذی فرماتے ہیں یہی مسلک تابعین کا ہے اور امام شافعی، امام احمد، امام اسحاق بھی غلہ میں نماز پڑھنے کو مستحب سمجھتے تھے۔ (ترمذی باب مذکور)

امام ملائک، امام لیث بن سعد، امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، امام ابو ثور، امام داؤد بن علی اور امام ابو جعفر طبری کا یہی مذہب ہے۔ (التعلیق المسجود علی موطا محمد حنفی ص ۲)

حضرت عمر بن عبد العزیز، حضرت عروہ اور اہل حجاز کا بھی یہی مسلک ہے۔

ابو موسیٰ اشعرؓ، ابن زبیر، ابو مسعود انصاری، عائشہ اور حضرت ام سلمہؓ کا بھی یہی نظریہ ہے (کتاب عبد العزیز)



اہل بیت، حضرت انس، حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن مسعود کا بھی یہی سلک ہے (نیل الاوطار ص ۱۵)

حضور غم۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام گوزروں کے نام سرکاری آرڈر کیا تھا کہ:

ظہر کی نماز ایک مثل سایہ ہونے تک ادا کیا کریں..... اور صبح کی جب کہ تارے ابھی چمکتے اور گنجان ہوں۔

ان عربین الخطاب کتب الی عمال..... ان صلوة الظہر اذا کان الفی ذراعاً الی ان یکون

ظلاً حد کہ مشد..... والصبح والنجوم بادیۃ مشتیكة (موطا مالک باب وقوت الصلوة ص ۵)

عمر بن بیون اودی فرماتے ہیں، میں حضرت عمرؓ کے پیچھے فجر کی نماز پڑھا کرتا تھا، اگر میرا بیٹا بھی تین ہاتھ کے فاصلے پر ہوتا تو جب تک نہ بولتا میں اسے نہیں پہچان سکتا تھا۔

ان کنت لأصلی خلف عمر بن الخطاب الفجود لوان ابی منی ثلثۃ اذرع ما عرفتمہ حق یتکلم

(ابن ابی شیبۃ باب من کان یغسل بالفجر ص ۳۲)

یہ وہی امیر المومنین حضرت عمرؓ ہیں جن کے نام پر ناحی میں رکعت تراویح کا کاروبار کیا جا رہا ہے۔ دیکھیے یہاں کیا بنتا ہے۔

عمو ثانی۔ عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز پانچویں خلیفہ راشد نے حضرت عبدالحمید کو حکم دیا تھا کہ صبح کی نماز غس میں پڑھا کریں۔

کتب عمر بن عبدالعزیز الی عبدالحمید ان غس بالفجر (ابن ابی شیبۃ ایضاً)

حضور ابن الزبیر۔ مکہ مکرمہ میں آپ کی خلافت منقذ ہو گئی تھی، آپ بھی خلیفہ راشد تھے۔ حضرت عمرو بن دینار (تابعی) ان کے پیچھے صبح کی نماز پڑھا کرتے تھے وہ فرماتے ہیں وہ اس قدر اندھیرے میں نماز پڑھتے تھے کہ ہم ایک دوسرے کو پہچان بھی نہیں سکتے تھے۔

انہ صلی مع ابن الزبیر فکان یغسل بالفجر فینصرف ولا یعرف بعضنا بعضاً (ابن ابی شیبۃ ص ۳۳)

حضرت عثمان۔ حضرت ابن ابی اس فرماتے ہیں، ہم حضرت عثمان کے ساتھ فجر کی نماز پڑھا کرتے تھے (لیکن) ہم ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہیں پہچان سکتے تھے۔

کنا فصل مع عثمان الفجر فینصرف وما یعرف بعضنا بعضاً (ایضاً)

حضرت ابوہریرہ۔ فرماتے ہیں۔

صلی الظہر اذا کان ظلک مثلاً..... وصل الصبح بغسل (موطا امام محمد شاگرد

۱ امام ابوحنیفہ ص ۳۲)

جب آپ کے اپنے قدم (قامت) کے برابر آپ کا سایہ ہو جائے تو ظہر پڑھیے..... اور صبح اندھیرے میں پڑھیے۔

الغرض، قرآن و سنت، خلفاء راشدین، صحابہ کرام کی ایک عظیم جماعت، تابعین، چاروں اماموں میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ کے سوا باقی تینوں اماموں (امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ) اہل بیت اور اہل حجاز کا یہ مذہب ہے کہ آسمان پر ابھی تارے گنجان اور چمکتے ہوں تو صبح کی نماز کھڑی ہو جانی چاہیے۔ — باقی رہا کب ختم ہو؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شرعی مجبوری نہ ہو تو قرأت اتنی لمبی ہونی چاہیے کہ صبح نکھر جائے، بقول امام طحاویؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ (طحاوی ص ۹) دوسری یہ کہ اندھیرے میں شروع کر کے اندھیرے میں ہی ختم کی جائے۔ اس کے سوا اور عقلی صورتیں ہیں، مثلاً کبھی بالکل سفیدی میں، کبھی درمیان میں، کبھی ہلکی قرأت کے ساتھ اور کبھی اتنی لمبی کہ سورج نکلنے کا اندیشہ ہونے لگے؟ — تو ان میں سے کوئی بھی صورت ناجائز نہیں ہے بلکہ سب بیان جواز کی صورتیں ہیں تاکہ امت کو تنگی نہ ہو۔ ہمارے نزدیک دین کا کوئی عمل بے ضابطہ نہیں ہے۔ اس کی بنیادی شکل ضرور متعین ہوتی ہے لیکن اس قدر سخت بھی نہیں کہ بوقت ضرورت اس کی کم از کم اور نرم سے نرم صورت اختیار کرنا بھی جان جو کھوں والی بات بن جائے۔

اسفار: دوسرا سبک اسفار کا ہے۔ یعنی اتنی روشنی ہو جائے کہ دور دور تک نظر آنے لگے۔ الاسفار هو وضوح الفجد وظہودہ نصب المرایہ حنفی ص ۲۲)

کچھ اہم اس کے قائل ہیں کہ صبح کی نماز اسی روشنی میں پڑھنی چاہیے۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

عن دافع ابن خدیج قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر وسن ادبکم وکن اعن حواء الانصادیہ (طبرانی)

فرمایا: فجر روشن کرو، کیونکہ اجر و ثواب کے لیے بڑی شے ہے۔

بعض روایات میں نَوْدُوا بالفجر آیا ہے۔ (طحاوی ص۔)

اس مضمون کی روایات چند اور صحابہؓ سے بھی مروی ہیں لیکن زیادہ تر ضعیف ہیں — صحیح مان لینے

کے باوجود یہ معنی لینے کہ غلغلہ میں نہیں پڑھنا چاہیے، مفہوم مخالف ہے۔ جس کو احناف نہیں مانتے۔ اَسْفِرُوا یا نَوْدُوا میں جس روشنی کا ذکر ہے، وہ ایک اضافی شے ہے، سورج کے طلوع ہونے تک اس کے کئی ایک شیج آتے ہیں۔ اس لیے حتمی طور پر اس کی تعیین مشکل ہے۔ جو شکل فقہاء نے تشخیص کی ہے، وہ ان کی صرف رائے ہے، حدیث نہیں ہے۔ حضرات احناف فرماتے ہیں کہ مسنون آداب اور مسنون قرأت کے ساتھ پڑھنے کے بعد اتنی گنجائش ابھی باقی رہے کہ مکرر پڑھنی پڑ جائے تو انہی آداب کے ساتھ طلوع آفتاب سے پہلے پہلے پڑھی جاسکے (العرف الشذی وغیرہ) مگر یہ صحیح نہیں، کیونکہ بہت

سی روایات میں (جو خود فقہاء نے بیان کی ہیں) آتا ہے کہ ملاں صحابی یا بزرگ نے اتنی لمبی نماز پڑھی کہ سورج کے طلوع ہونے کا اندیشہ ہونے لگا۔ مثلاً

حضرت سائب بن یزید (یہ وہی ہیں رکعت تراویح والے ہیں) فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر کے پیچھے نماز پڑھی تو جب واپس ہوئے سورج نظر آنے کو تھا۔

صلیت خلف عمر الصبح ..... فلما انصرفوا استشرفوا الشمس وطحاوی مثلاً

حضرت ادوی فرماتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے ہمیں صبح کی نماز پڑھائی اور ہم طلوع سورج کا اندیشہ کرنے لگے کہ کہیں وہ نکل نہ آیا ہو۔

كان علي بن ابي طالب يصلي بنا الفجر ونحن نقرأ اى الشمس مخافة ان تكون قد طلعت فنصب الراية بحواله طحاوی مثلاً

خود فرمائیے! فقہائے کرام کی روشنی کی تحدید کا کیا حشر ہوا؟  
صبح یہ ہے کہ اس کے معنی وضوح صبح کے ہیں جیسا کہ علامہ زلیعی حنفی (ف ۶۲) نے کہا ہے۔  
نصب الراية ۲۴

امام ابو الحسن محمد بن عبد الہادی نزہل المدنیۃ المنورہ المتوفی ۱۱۳۸ھ بھی اسفار الصبح کے معنی اس کا وضوح کرتے ہیں۔

ای انکشافہ ما ضامہ شرح ابن ماجہ، السندی ۲۲

وضوح ایک وہ ہوتا ہے جس پر خاص خاص لوگ مطلع ہوتے ہیں اور یہ بالکل ابتدائی درجہ ہے جو رات کے بطن سے ابھی الگ ہوا ہے۔ دوسرا وہ ہے جو گواہ میرا ہوتا ہے لیکن ہر خاص و عام کو محسوس ہو جاتا ہے کہ صبح ہو گئی ہے۔ پس یہاں پر بھی "اسفار" (وضوح) مراد ہے۔

تتویر یا اسفار اور اصباح سے وضوح اور ظہور کے بجائے تاخیر مراد لینا، لغت اور تعال اہل زبان کے خلاف ہے کیونکہ سورج کے نکلنے کے قریب تک اس "تاخیر" کا دائرہ ممتد ہو سکتا ہے جیسا کہ ہوا بھی۔ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسفار و بالفجر دراصل اسفار و بصلوة الفجر ہے ملاحظہ ہو نصب الراية بحوالہ بزار ۲۴

بعض روایات میں اصبحوا بالصبح (ابن ماجہ ۳۴، زوائد ابن حبان ۵۰، البوداؤد ۲۴) اور بعض میں نوعدا بصلوة الفجر (دارمی ۲۴، نصب الراية ۲۴ بحوالہ طلیاسی) اور بعض میں اسفروا بصلوة الصبح (دارمی ۲۴) آیا ہے، جس کے یہی معنی بنتے ہیں کہ:-



۱۔ واضح صبح صادق میں نماز پڑھا کر دو۔

ب۔ یا یہ کہ نماز کے ساتھ صبح روشن کیا کرو، یعنی نماز غلّس میں شروع کر کے اتنی لمبی کی جائے کہ صبح روشن ہو جائے۔ امام طحاوی حنفی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی معنی کو پسند کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

ان یكون تغلیساً یبدأ به الاسفار (طحاوی مشہ)

مندرجہ ذیل آثار سے اس معنی کی تائید بھی ہوتی ہے:

قال خرخشة قال صل عمریا لئلا تغلّس ونور و صل بعد فیما بین ذلک (ابن ابی شیبہ)

اس سے واضح تر یہ اثر ہے۔

صل المغیرة بن شعبه الصبح فغلّس ونور حتی قلت قد طلعت الشمس اوله تطلع الحديث۔

(ابن ابی شیبہ ص ۳۲۲)

عن محمد قال کانا یجرون ان ینصرفوا من صلوٰۃ الصبح واحد یم یری موقع ینلد (ایضاً)  
یعنی غلّس میں شروع کی اور پھر اسے اس قدر لمبا کیا کہ صبح روشن کر دی۔ صحابہ اسی طرز عمل کو پسند کرتے تھے چنانچہ امام طحاوی لکھتے ہیں۔

ان یكون دخوله فیها الا غلّس ولا خروجه کان منها الا تغلّس اسفراً شدیداً (طحاوی مشہ)

حضرت امام طحاوی فرماتے ہیں کہ یہی مناسب ہے کہ غلّس میں شروع کی جائے اور اسفار (روشنی)

میں ختم کی جائے۔

فالذی ینبغی الدخول فی الفجر فی وقت التغلیس والخروج منها فی وقت الاسفار علی موافقة

ما روینا عن رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم واصحابہ (طحاوی مشہ)

پھر فرماتے ہیں، یہی ہے قول حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہم کا۔

وهو قول ابی حنیفۃ و ابی یوسف ومحمد بن الحسن رحمہم اللہ تعالیٰ (طحاوی مشہ)

ملا علی قاری حنفی نے علامہ میرک کا قول نقل کیا ہے کہ امام طحاوی کی توجیہ کو انہوں نے سراہا ہے۔

وهذا التاویل اقول جمعا بین الاحادیث السنی وددت فی التغلیس والاسفار۔

(مرقات شرح مشکوٰۃ ص ۳۹)

علامہ عبدالحی لکھنوی حنفی اپنی التعلیق المجتہد علی مؤطا محمد میں لکھتے ہیں: وهو جمع حسن یہ

یہ دونوں احادیث میں جمع کی توجیہ خوب ہے۔

بالفرض والتسلیم۔ اگر اسفار کے وہی معنی لیے جائیں جو مفتی فقہار نے کیے ہیں تو ہمارے نزدیک اس کی توجیہ یہ ہے کہ:

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے اسفار والی حدیث کی جو توجیہ بیان کی ہے اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ اصل غلصہ ہے۔ اور بالکل وہی توجیہ کی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ اسفار والی حدیث: اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجواء کا خطاب ان لوگوں سے ہے جن کو وقت پر جماعت کے لیے نمازی بہت کم ملنے کا اندیشہ ہو یا ایسی جامع مسجد کی بات ہے جس میں ضعیف بھی شرکت کرتے ہوں کہ ان کے خیال سے اسفار کر لیا کرو۔ فرماتے ہیں یا اس کے یہ معنی ہیں کہ مبی قرأت کر کے غلصہ سے اسفار تک چلے جایا کرو، اس لیے اسفار اور غلصہ والی روایات کے درمیان کوئی منافات نہیں ہے۔

اقول هذا خطاب لقوم خشوا تقصیل الجماعة جدا ان ينتظروا الى الاسفار ولاهل المساجد الکبيرة التي تجتمع الضعفاء والصبيان وغيره..... اوصحاه طو لوا الصلوة حتى یقع اخرها فی وقت الاسفار لحدیث ابی ہریرۃ الخ (حجۃ اللہ المبالغۃ ص ۱۵۱)

چونکہ یہ ایک ایسی استثنائی صورت ہے جو کبھی پیش آ سکتی ہے، ظاہر ہے ایسی صورتیں وقتی ہوتی ہیں، دائمی نہیں ہوتیں۔

اس کے علاوہ اس سلسلے میں یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ:

و۔ فقہاء کرام کی تشفیص کردہ تزیید اسفار اور اصل حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد حضرت عثمان کے عہد میں بطور احتیاط احتیاط رک گئی تھی (طحاوی وغیرہ) جو ایک عارضی بات تھی۔ اب اس کا کوئی اندیشہ نہیں۔ ہاں اگر کہیں ایسا ہو تو اب بھی ٹھیک ہے۔

ب۔ یا صرف اس لیے کہ راتیں چھوٹی ہیں، لوگوں کی نیند پوری نہیں ہوتی ہوگی، اس لیے امام ضرورت محسوس کرے تو اب بھی ویسا کر سکتا ہے اور وہ بھی صرف گرمیوں میں (شرح السنۃ) مگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، خلفاء راشدین، اہل بیت اور اہل حجاز کا تعامل اس کے خلاف ہے جیسا کہ گزرا۔

ج۔ یا موسم کا لحاظ فرماتے تھے، یعنی سردی گرمی کا حساب۔

د۔ یا چاندنی رات کا کر کے کبھی کہا گیا ہو کہ مزید اطمینان کر لیا جائے، کیونکہ اس میں بڑا مغالطہ لگتا ہے بہر حال یہ کچھ استثنائی صورتیں ہیں۔

الغرض، اگر کوئی روشنی مستحب اور افضل ہوتی تو اہل حجاز، خلفاء راشدین اور دوسرے عظیم صحابہؓ اور ائمہ دین کا تعامل "حجازی روشنی" پر بالکل نہ ہوتا۔ ویسے بھی ایسے وقت میں نماز کے لیے کھڑا ہونا جب

چیونٹی نظر آنے لگے، سستی کی انتہا ہے۔ یہ وقت کچھ بچتا نہیں ہے، ماقم الحروف کو یقین ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے عمل میں بھی اس کی گنجائش نہیں مل سکے گی، وہ بھی جیسا کہ امام طحاوی نے کہا ہے، اندھیرے میں کھڑے ہوتے ہوں گے، چونکہ آپ کو قرآن اور قیام سے عشق تھا، اس لیے لمبی قرأت اور لمبے قیام سے ان کی صبح بالکل سفید ہو جاتی ہوگی، ایسا دل نہیں مانتا کہ وہ اتنی دیر اور تاخیر سے کھڑے ہوتے ہوں، جیسا کہ آج کل خفیوں میں رواج ہو گیا ہے۔ ویسے بھی ہمارے نزدیک اجر عظیم کا باعث یہی لمبا قیام اور لمبی قرأت ہی ہے۔ صرف سفیدی سے سفیدی تک کا سلسلہ اجر عظیم کی زبرد نہیں بن سکتا۔

علمائے دیوبند۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ شاید تغلیس کا معاملہ رمضان سے تعلق رکھتا ہے، اور اسی طرح جب لوگ جمع ہو جائیں تو ہمیں بھی ایسا کرنا چاہیے، چنانچہ دیوبند میں بھی شروع سے اکابر کا یہی معمول چلا آ رہا ہے۔

وعل هذا تغلیس کان فی رمضان خاصۃ دھکذا ینبغی عندنا اذا اجتمع الناس وعلیہ العمل فی حاد العلم دیوبند من عهد الاکابر (فیض الباری شرح بخاری ص ۱۳)

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ لاہوری کا معمول ہمیشہ غلّس (اندھیرے) رہا ہے اور علماء دیوبند کا یہاں عموماً آنا جانا رہتا تھا، انھوں نے کبھی اس پر اعتراض نہیں کیا تھا۔

آخر میں ہم پھر عرض کر دیں، اختلاف "جواز" میں نہیں ہے، صرف افضلیت میں ہے اور اس امر میں خود حضورؐ، خلفائے راشدین، صحابہؓ، تابعین اور زیادہ تر ائمہ دین کا تعامل کیا رہا ہے؛ وہ آپؐ نے اوپر کی سطحوں میں ملاحظہ فرمایا ہے کہ غلّس ہی رہا ہے۔ خاص کر بریلوی کو فیوں کے ہاں جس قسم کا "اسفار" چل نکلا ہے ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ علمائے دیوبند کا عمل اس سے کہیں زیادہ اونچا رہا ہے اور رہنا چاہیے۔ بریلویوں نے اسفار کیا کیا، ان کو تو اسفار کا ہمیضہ ہو گیا ہے۔ خاص کر یہ لوگ تو گیارھویں والے بزرگ کے بھی خلاف چل نکلے ہیں کیونکہ حضرت پیر جیلانی کے نزدیک غلّس (غنیہ) اندھیرے میں صبح کی نماز پڑھنا افضل ہے۔ آپ کا ارشاد ہے: حین حرم الطعام والشراب علی الصائمۃ (غنیہ) یعنی جب سحری ختم ہو جاتی ہے۔ نماز پڑھنی چاہیے۔ هذا ما عندی واللہ اعلم وعلمہ تبارک۔

## ”المنبر“ لائل پور کا عید اللہ نمبر صفحہ ۲۰

جو محترم حکیم عبداللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی، علمی، عملی، طبی، دینی اور سیاسی زندگی کی مکمل تصویر ہوگا۔ ان شاء اللہ حکیم صاحب مرحوم کے احباب اپنے تاثرات اور مقالات جلد ارسال فرمائیں۔

خالد اشرف ہفت روزہ ”المنبر“ پوسٹ بکس نمبر ۶۶۔ لاٹھی پور



# علمائے حق کے لیے لمحہ فکریہ آپ کا مول تول شروع ہو گیا ہے

علمائے کرام، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وارث، دینِ نبی کے ترجمان، صداقتِ اسلام کے شاہد، طائفہ منصورہ کی جان اور ملتِ اسلامیہ کے اصلی نمائندے ہوتے ہیں۔ یہ وہ اعزاز ہے جو بیک وقت کسی ایک طبقہ کو ایک ساتھ شکل سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے ہمیشہ سے انھیں ناقابلِ تسخیر محاذ اور قابلِ صدرِ تنگ اعزاز تصور کیا جاتا رہا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ گروہ سعید اس احترام، اکرام، اعتماد اور عزت کا اہل بھی ہے۔ — کثر ہم اللہ سوا دم۔

ان کے مقامِ شہادت کی رفعت کا اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ حق تعالیٰ نے، "توحید برحق" پر اپنی ذات اور فرشتوں کے ساتھ علماء کو بھی بطور گواہ پیش کیا ہے۔  
شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالنُّقُطِ  
(پ - آل عمران ع)

ان کی قابلِ ذکر طہانیت کا اس کے علاوہ اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جہانِ علم و فن کے بڑے بڑے بخاوری ریب و تذبذب کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں، وہاں وہ پوری شرح صدر کے ساتھ غیر مترنزل ایقان اور طہانیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔

فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ..... وَاللَّاسِخُونَ فِي الْعُلُوبِ يَقُولُونَ أَمَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا (پ - آل عمران ع)

یہ طہانیت ان کی بے ذوقی یا کم فہمی پر مبنی نہیں ہوتی بلکہ وہ دراصل اس طبعی مناسبت کا قدرتی نتیجہ ہوتی ہے جو اسلامی طرزِ حیات کی بدولت ان میں پیدا ہو جاتی ہے، کیونکہ یہ "رسوخ فی العلم" کا حاصل ہوتی ہے، جو سرتاپا ذوق بھی ہے اور فہم بھی، شرح صدر بھی ہے اور معراج شاہدہ قلبی بھی لیکن

## ع ذوقِ این بادہ ندائی بجد! ناچنسی

جہاں پر علم و ہوش کے طاغوتی دلیوتا تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں وہاں سے علمائے حق کے علم و یقین اور طہانیت کی ابتداء ہوتی ہے، چنانچہ شفقت اور خیر خواہی کے جذبہ کے ساتھ اور علی وجہ البصیرت ان کو آواز دیتے ہیں کہ: ادھر آؤ! ہم تمہیں راہِ راست پر ڈال دیں گے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَ نِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكُمْ فَاَتَّبِعْنِي أَهْدِيكُمْ إِلَى سَبِيلٍ مُسْتَقِيمٍ (مائدہ ۴)

ابا جان! مجھے ایسی معلومات حاصل ہوئی ہیں جو آپ کو حاصل نہیں ہوئیں تو آپ میرے پیچھے ہو لیجیے! میں آپ کو سیدھا راستہ دکھا دوں گا۔

ان کا طرہ امتیاز صرف علم و بصیرت نہیں ہے بلکہ خشیتِ الہی ان کے تمام احساسات، نفسیات اور علم و ہوش کی اساس ہوتی ہے۔

إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ (پہ۔ فاطر ۷)

اس کے بندوں میں سے صرف علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔

## ع آنا کہ عارف تراند ترساں تراند

اس لیے ان کے دل ماسوی اللہ کے ڈر سے سدا خالی رہے ہیں۔ وہ ایک ہی دروازہ پر جھک کر دوسرے ہر باب اور دروازہ سے نجات پا گئے تھے۔ غیر کی طرف سے لالچ یا خوف کبھی بھی ان کے دل و دماغ میں جگہ نہ پا سکے تھے۔ ان کی بیم ورجا اور نفع و ضرر کے احساسات اور تصورات لایزالہ الا اللہ کے گرد گھومتے تھے۔ اس لیے سب سے گردن فرار تھے، دریاؤں کی مچھلیاں اور خشکی کے جانور اور حشرات الارض اور ہوا کے پرندے ان کے لیے سدا دستِ بدعاریتے ہیں۔

وَجَلَّ اتَّاهُ اللَّهُ عِلْمًا قَبْدَ لَمْ لِلنَّاسِ وَلَوْ يَأْخُذُ عَلَيْهِ طَمَعًا وَلَوْ يَشْتَرِيهِمْ بَشَرًا قَلِيلًا فَذَلِكَ تَسْتَغْفِرُكَ حَيْثَانُ الْبَحْرِ وَمَدَابُّ الْبَرِّ وَالطَّيْرِ فِي جَوِّ السَّمَاءِ (طبرانی اوسط۔ ابن عباس)

یہ وہ تارے ہیں، جو فکر و عمل کے ظلمات میں لوگوں کو راہ دکھاتے ہیں اور لوگ راہ پاتے ہیں ورنہ بھٹک جاتے ہیں۔

إِنَّ مَثَلَ الْعُلَمَاءِ فِي الْأَرْضِ كَمَثَلِ النُّجُومِ يُهْتَدَى بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ فَإِذَا انْطَسَبَتِ النُّجُومُ أَدُشَكَ أَنْ تَفْضَلَ الْهُدَاةُ (رواہ احمد عن انس)

## ع اسی جوئی طبع بر من بلا شدی

کے مصداق ہر زمانہ میں اور باب ثروت اور عمران کو لے لے ان کو اپنے اغراض سبب کے پیشے میں اتارنے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے علمائے حق کو بارہا حوصلہ شکن ابتلا و محن اور مصائب کے گھاٹ اترنا پڑا۔ اس راہ میں جس قدر ان راہ نماؤں نے قربانیاں دی ہیں، کسی اور طبقہ نے شاید وہاں دی ہوں۔ بنو امیر کے حجاج بن یوسف سے لے کر اب تک کتنے علمائے کرام اور ائمہ عظم، ظلم بے دین اور خود غرض حکمرانوں کی مشق ناز کی بھینٹ چڑھ چکے ہیں؛ ان کا شمار اللہ ہی کو معلوم ہے تاہم علم لدنی کو کلمہ حق جیسے فریضہ حق کے ادا کرنے سے کوئی شے نہ روک سکی۔

جبری طلاق کی اوٹ میں منصور اپنی جبری بیعت اور قیادت قبول کرانا چاہتا تھا، جب امام مالک نے اس کی یہ خواہش پوری نہ کی تو اس ظالم نے حکم دیا کہ:

”ان کو ستر کوڑے مارے جائیں، امام دارالہجرۃ کو نچمکھ امارت میں گنہگاروں کی طرح لایا گیا۔ کپڑے اتارے گئے اور شانہ امامت پر دستِ ظلم نے ستر کوڑے پورے کیے، تمام پیٹھ خون آلود ہو گئی۔ دوزخ ہاتھ بوندھوں سے اتر گئے۔ اس پر بھی تسلی نہ ہوئی تو حکم دیا کہ اونٹ پر بٹھا کر شہر میں ان کی تشہیر کی جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، مگر امام موصوف اب بھی ان سے رام نہ ہوئے اور نہ ہی حواس باختہ ہوئے بلکہ فرماتے رہے کہ:

”میں فتویٰ دیتا ہوں کہ طلاق جبری درست نہیں (حیات مالک بحوالہ طبقات)

امام احمد بن حنبل کو پابجولاں جیل لایا گیا۔ کوڑے مار مار کر لہو لہان کیا گیا۔ آپ بے ہوش ہو ہو جاتے تھے اور کس مہر سی کے عالم میں نہایت جبر و تشدد کے ساتھ مدتوں جیل میں رکھا گیا اور ہمیشہ ہی فرماتے رہے کہ جو کہتے ہو اس کے لیے کتاب و سنت لاؤ۔

حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو جرمِ حق کی پاداش میں جیل میں ڈال کر انواع و اقسام کی تعذیب اور اذیتیں دی گئیں مگر حکمرانوں کے غیر عادلانہ اور غیر اسلامی نظامِ حکومت میں ان سے قطعاً تعاون نہ کیا۔ رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

یمن کے گورنر کے ظالمانہ طرزِ حکومت کے خلاف بولنے اور اس کو ٹوکنے کے نتیجہ میں حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو تلوار کی دھار کے نیچے اپنا سر رکھنا پڑا۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے یزید بن عبد الملک (بنو امیہ کے عظیم تاجدار) کی غیر عادلانہ حکومت کے خلاف ہمیشہ تنقید کی، اس عہد کی شورش جو یزید بن مہلب اور ابن الاشعث نے برپا کی تھی کے متعلق کہا کہ، ان میں سے کسی کا ساتھ نہ دیا جائے، ایک شامی نے کہا کہ کیا امیر المؤمنین کا بھی نہیں؟



انہوں نے پورے جلال میں کہا: ہاں ہاں: نہ امیر المومنین کا، نہ امیر المؤمنین کا۔ (طبقات ص ۱۸)

امام غزالی نے اپنے عہد کے حکمرانوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ: بادشاہوں کے مال زیادہ تر حرام ہوتے ہیں۔ حلال مشکل سے ان کے ہاں ملے گا، اغلب اموال اسلاطین حرام فی ہذہ الاعصار والجلال فی ایدہم معدود و عزیز (احیاء العباد ص ۱۲)

خلیفہ مقتدی لامر اللہ نے قاضی ابن المزمع الظالم کو حج مقرر کیا تو حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے اس کو سخت ملامت کی کہ، تو نے سب سے بڑے ظالم کو مسلمانوں پر مسلط کیا ہے، کل خدا کو کیا جواب دو گے؟

ولیت علی المسلمین اظلموا المظالمین، ما جابک غداً عند رب العلیین (تلاش الجواہر ص ۱۸)  
یہ سن کر خلیفہ کا نپ اٹھا اور رونے لگا اور فوراً ہی اسے برخاست کر دیا (اتقلائد)  
بے انصاف اور ظالم لوگوں کو خاص کر حکام کو بے دریغ ٹوکتے اور بھرے مجمع میں ان کو ٹوکتے اور ان کے خلاف لوگوں کو متوجہ کیا کرتے تھے۔

و یصدعہم بذلک علی رؤس الاشہاد و رؤس المناہد و فی المحافظ و ینکو علی من یولی المظلمة دلائل تاخذہ فی اللہ لومة لائمہ (ایضاً)  
درباری سرکاری علماء اور مشائخ سے فرماتے کہ:-

اے علم و عمل میں خیانت کرنے والو! تم کو ان سے کیا نسبت۔ اے اللہ اور اس کے رسول کے دشمنو! اے بندگانِ خدا کے ڈاکو! اے عالمو، اے ناہدو! بادشاہوں اور سلاطین کے لیے کب تک منافق بنے رہو گے۔

پھر ان کے خلاف اللہ سے دعا کرتے کہ:

اے منافقوں کی شوکت توڑ دے، ان کو ذلیل فرما..... اور زمین کو ان سے پاک کر دے یا ان کی اصلاح فرما۔ (فیوض یزدانی مجلس ص ۵)

حضرت امام ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے حکام اور بادشاہوں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا۔  
یہ حضرات شریعت کے مقابلہ میں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں کبھی اس شخص کا ہاتھ کاٹتے ہیں جس کا ہاتھ جائز نہیں اور کبھی اس کو قتل کرتے ہیں جس کا قتل حلال نہیں، ان کو یہ دھوکا ہے کہ یہ سیاست ہے جس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ شریعت نافض ہے اس کو تنکدہ اور خمیہ کی ضرورت ہے اور ہم اپنی رائے سے اس کی تکمیل کرتے ہیں..... معامی پر اصرار کے ساتھ ساتھ ان کو صلحاء کی

ملاقات کا بھی بڑا شوق ہوتا ہے اور ان سے وہ اپنے حق میں دعائیں کراتے ہیں، شیطان ان کو سمجھاتا ہے کہ اس سے گناہوں کا پلڑا ہلکا ہو جائے گا۔ (ماخوذ از تاریخ دعوت و عزیمت)  
امام داؤد بن یوسف الخطیب ابواللیث کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

انہ کان یكوكا الدخول علی السلاطین ویفتی بذلک (برصغیر پاک و ہند میں علم فقر ص ۵۲)

یعنی امام ابواللیث سلاطین کے ہاں جانے کو برا سمجھتے تھے اور یہی فتوے دیتے تھے۔  
حضرت امام ابوحنیفہؒ نے تو حکومت کی طرف سے سپریم کورٹ کے چیف جسٹس بننے کی پیشکش صرف اس لیے ٹھکرا دی تھی کہ حکمران اور ان کے حکام اسلام کے پابند نہ تھے — اور ڈرتے تھے کہ خدا کے ہاں ظالموں کے ہمراہ ان کا حشر نہ ہو۔

الغرض علمائے حق کا یہ مقام عزیمت تھا اور یہ ان کی تاریخ تھی۔ لیکن ان میں علماء سوء کا ایک طبقہ وہ بھی پیدا ہو گیا جس نے علم اور فتوے بیچے، اپنے اثر و رسوخ کا کاروبار کیا، حکومت کے مظالم میں ان کا ہاتھ بٹایا۔ حکمرانوں کی ہر بھونڈی سازش، سکیم و دھندے اور ضیافت طمع کے لیے جواز جیسے تشخیص اور تجویز کیے۔

وایسے تو ہر زمانہ میں ہر با اثر اور ہر حکمران نے مطلب کے علماء تلاش کرنے اور ثقہ علماء کو راجہ سے منحرف کرنے کے لیے جال پھیلائے ہیں، لیکن دورِ حاضر میں منظم طریقے کے ساتھ جس طرح علماء کو خریدنے اور استعمال کرنے کی کوششیں شروع ہو گئی ہیں، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔ دھن دھن اور دھاندلی کے علاوہ مستقل ایک شعبہ ان کو اغوا کرنے کے لیے تگ و دو میں مصروف ہے۔ "سیاسی دائرہ" کے طور پر باقاعدہ نام نہاد "مولانا" رکھے جاتے ہیں جو لطیف حیلوں کے ذریعے ان پر ڈورے ڈالنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں، چنانچہ اس سلسلے میں ان کو کچھ کامیابیاں بھی حاصل ہوئی ہیں۔ جیسی کچھ صورتِ حال پیدا ہو گئی ہے۔ اس کے پیشِ نظر ہم مجبور ہو گئے ہیں کہ علمائے حق کو اسی صورتِ حال کا مقابلہ کرنے کے لیے غور و فکر کرنے کی دعوت دیں۔ اگر وقت پر انھوں نے اس فتنہ کا احاس نہ کیا تو اندیشہ ہے کہ کل ان کا برا حشر ہو اور اس کے ساتھ ساتھ خود دینِ حق بھی ناقص بن جائے۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ بڑے بڑے جبہ و دستار اور علم و فضل میں ادنیٰ شہرت رکھنے والے لوگ ایسے بدنام شکاریوں کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں اور ہتھیار ڈالتے جا رہے ہیں کہ کرسی سے علیحدہ ہونے کے بعد اس سے سلام کرنا بھی وہ گوارا نہ کریں۔ اب ضرورت ہے کہ کوئی احمد بن حنبل، کوئی مالک، کوئی ابوحنیفہ، کوئی ابن تیمیہ، کوئی جیلانی اور کوئی ابن الجوزی پھر اٹھے اور دائرہ گوں حالات کے



دھاروں کا رخ بدل دے۔ اور یہ کچھ بعید بھی نہیں ہے کہ آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ جب علماء اپنے بلند مقام پر فائز تھے تو وہ یکے نہیں تھے بلکہ حکمرانوں کو جنس بازار کی طرح بیچ ڈالتے تھے۔

مصری حکومت کا ایک نائب السلطنت اصل میں غلام تھا جو کسی طرح برسرِ اقتدار آ گیا تھا، غلام اصل میں اسلامی بیت المال کی ملکیت ہوتے ہیں، اس لیے حضرت امام عزالدین بن عبدالسلام نے اعلان کیا کہ یہ شخص بیت المال کی جائداد ہے اور شرعی طریقے پر آزاد نہیں کیا گیا چنانچہ اس فتوے سے بڑی کھلبلی مچ گئی، حکام نے بلا کر پوچھا کہ آخر آپ کیا چاہتے، فرمایا:

ہم ایک مجلس طلب کریں گے اور بیت المال کی طرف سے آپ کو نیلام کریں گے اور شرعی طریقہ پر آپ کو آزادی کا پروانہ دیا جائے گا۔ انھوں نے جاکر بادشاہ سے کہا کہ یہ شیخ ہمیں ذیل کرنا چاہتا ہے، بادشاہ نے بڑی کوشش کی مگر شیخ نے اپنے الفاظ واپس لینے سے انکار کر دیا، جس سے برہم ہو کر شاہ سے شیخ کی شان کے خلاف کوئی غیر محتاط جملہ نکل گیا، آپ نے سن کر وہاں سے کوچ کر دیا، پھر کیا تھا سارے شہر میں کہلا مچ گیا اور بادشاہ کو خود جا کر منتوں سے واپس لانا پڑا اور بالآخر یہ طے ہوا کہ:-

وہ امراء سلطنت کو خود نیلام کریں۔

نائب السلطنت نے جلال میں آ کر کہا کہ میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔ تلوار لے کر شیخ کے دروازہ پر پہنچا، دستک دی، شیخ کا بٹیا آیا دیکھا کہ نائب السلطنت تلوار سونتے کھڑا ہے، جاکر بتایا تو شیخ نے کہا کہ:

بٹیا! آپ کا باپ اس قدر خوش نصیب کہاں کہ اس کو شہادت ملے۔ پھر باہر نکلے تو دیکھتے ہی نائب السلطنت کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور بدن پر ریشہ طاری ہو گیا۔ اور پاؤں میں گر گیا اور کہا آپ کیا کرنا چاہتے ہیں، فرمایا آپ کا نیلام! پھر فرمایا یہ رقم کس مد میں ڈالیں گے؟ فرمایا: مسلمانوں کے کاموں میں؛ پوچھا: قیمت کون وصول کرے گا؟ فرمایا: میں خود۔ اس نے کہا: بہت اچھا! چنانچہ ایسا ہی ہوا ایک ایک امیر کو نیلام کیا گیا اور ہر ایک کی بولی بولی گئی اور قیمت وصول کر کے وہ خیر کے کاموں میں صرف کی گئی (طبقات الشافعیہ ماخوذ از تاریخ دعوت و عزیمت)

اب وقت ہے کہ آپ بھی اسلامی حکومت کے قیام میں کوئی تاریخ ساز کردار پیش کریں۔ ان سے مرعوب ہونے کی ضرورت نہیں، یقین کیجئے جو لوگ اسلامی کردار اور روح سے خالی ہیں ان کا جال تاریخ کی تار عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور ہے۔ وہ آپ کی زد میں ہیں بشرطیکہ آپ خود قائم رہیں۔ یہ بت صرف آپ کے سہارے پر قائم ہیں۔ آپ اپنے کو ان کے سہارے پر نہ چھوڑیں! ہاں جائز کاموں میں حکومت سے مفروضہ



تعاون کیا جائے لیکن اس سے ان کے باطل نظام سیاست اور پروگرام کی عمر دراز نہ ہونے پائے اور ان کے جوگشتے آپ کا کاروبار کرنے کے لیے آپ کی طرف بڑھ رہے ہیں، ان کو آپ کے سامنے پیش ہوتے ہوئے آپ کی غیرت اور ثبات علی الحق سے خوف آئے۔ اگر آپ نے خود اپنے منصب اور مقام و مرتبہ کا احترام نہ کیا تو یقین کیجیے: کل آپ کی دہی حیثیت ہوگی جو آج ملک میں چاروں کی ہے۔ آپ اس بے چسپی کہ آپ پر حضور کا یہ ارشاد صادق آئے۔

کچھ لوگ دین حاصل کریں گے کہ بادشاہوں کا قرب حاصل ہوگا، دنیا کا میں گے مگر اپنا دین بچا کے رکھیں گے مگر ایسا ممکن نہ ہوگا۔

اننا سامن امتی سیقفقہون فی الدین یقرؤن القرآن یقولون ناتی الامواء قضیب من دنیاہم ونعز نہم بدیننا ولا یكون ذلک الحدیث (ابن ماجہ)

حضرت ابن مسعود نے فتنوں کی تصویر کھینچتے ہوئے فرمایا کہ یہ اس وقت نازل ہوں گے جب فہم دین، دین کے لیے اور علم عمل کے لیے نہیں حاصل کیا جائے گا اور نیک عمل کے ذریعے دنیا تلاش کی جائے گی۔

اذا تُقِّقَ لغير الذین وتُعْمَد لغير العمل والتمست الدنيا بعمل الاخرة (رداء عبد اللہ)

بہر حال ہم اس فریضہ کے لیے ہر اس شخص سے اپیل کریں گے جو دین کی غفلت اور سر بلندی چاہتا ہے کہ علمائے حق کا ساتھ دے تاکہ بدول ہو کر وہ کسی آس پاس کے فتنے میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ اس کے باوجود اگر وہ قائم نہ رہیں تو قرآن کا ارشاد ہے کہ ان سے الگ ہو جاؤ! کیونکہ اس سے زیادہ یہ سوچ ہی نہیں سکتے۔

فَاعْرِضْ عَنْ مَنْ تَوَلَّى هَٰ عَن ذِكْرِنَا وَلَمْ يُبْدِ إِلَّا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۚ ذٰلِكَ مَبْلَعُهُمْ مِّنَ الْعَمَلِ (رَبِّ - النجید ط)

جو شخص ہماری یاد سے روگردانی کرے اور دنیا کے سوا اس کو اور کسی بات سے غرض ہی نہ ہو، اس کی ذرہ بھی پروا نہ کرو، اس کے علم و عقل کی رسائی (بس) یہیں تک ہے۔

جن لوگوں نے علم دین کے ذریعے قرب سلطان اور دنیا حاصل کی، قرآن نے ان کو آیات الہی فروخت کرنے والا قرار دیا ہے:

اشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (توبہ ط)، اُولٰٓئِكَ الذِّیْنَ اشْتَرَوْا الضَّلٰلَةَ (بقرة ط)

اُولٰٓئِكَ الذِّیْنَ اشْتَرَوْا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ (بقرة ط)، اشْتَرَوْا بِآيَةِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيلًا (توبہ - ط) یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت اور آیات کے عوض حقیر و نیکامی اور ہلاکت کے بدلے ضلالت مول لی۔

ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا میں مسلمان حکومتیں، ان تمام ذرائع اور وسائل پر قبضے کرتی جا رہی ہیں، جن سے کسی طور علماء کا تعلق ہو سکتا ہے، پھر ان کو باہر و منصب اور مادی منفعت کے لالچ دیے جا رہے ہیں چنانچہ کچھ خام اور ناہنجار لوگ کچھ دھلگے سے ادھر کر کھینچے چلے جا رہے ہیں۔ خاص کر جماعت اہل حدیث کے اکابر کے لیے یہ مقام غور ہے، بعض پوری جماعتیں، بعض افراد، اور بعض علماء حکمرانوں کی گود میں پناہ دیتے ہیں، اس کو ہوش میں آنا چاہیے، اس سے غرض، حکومت یا حکمرانوں کی مخالفت نہیں کیونکہ یہ مطلوب نہیں ہے۔ بلکہ صرف یہ ہے کہ: ان کی غلط کاریوں میں ان کا ساتھ نہ دیا جائے اور یہ احساس کیا جائے کہ ان کی مادی نشینی اور چوہدری کے فرائض اور خدمات آپ کا منصب نہیں ہے۔ تبلیغ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے سوا ان کی طرف رخ کرنا، آپ کی ذات اور آپ کی آخرت کے لیے خطرناک ہے۔ اگر آپ کے قرب سلطان کی وجہ سے عوام گمراہ ہو سکتے ہیں اور اس سے غلط کار حکمرانوں کے اغراض سیٹھ اور باطل نظام حکومت کو غذال سکتی ہے۔ تو پھر خوفِ خدا سے کام لیجیے! خدا کے ہاں آپ سے اس کی بڑی باز پرس ہوگی، باقی رہی دنیا، سوا اس کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ دنا کرے یا نہ کرے۔ کیونکہ یہ لوگ عوام چوس کر پھینک دیا کرتے ہیں، سوچ لیجیے، کہیں کل آپ کا بھی یہی حشر نہ ہو۔

یہ ایک تاریخی تجربہ ہے کہ سچی اسلامی حکومت اور خلافت علی منہاج النبوة کے سوا اور کسی بھی طرز کی حکومت علماء حق کے لیے سازگار فضا ہی نہیں کر سکتی اور جو بھی حکومت آتی ہے، عموماً اس نے علمائے سوہی پیدا کیے ہیں۔ اور کرتی چلی جائے گی، آپ کو یاد ہوگا کہ سابق صدر ایوب نے شکایت کی تھی کہ، ان لوگوں نے معاہدہ تاشقند کو صلح حدیبیہ کا نام دیا تھا، یقین کیجیے! جب مٹر بھٹو جاؤ گے تو خدا جانے وہ اپنے حاشیہ نشینوں میں سے کس کس مولانا کی کیسی کیسی شرمناک بوا عجیبیاں بتائیں گے! بہر حال سیاسی کا سہ لسی تو ہر باضمیر انسان کے لیے شرمناک ضلالت اور پستی ہے خاص کر علماء کے لیے سیاسی داشتہ کے فرائض اور خدمات قبول کرنا تو انتہائی ذلیل پیشہ ہے۔ اس لیے ہم چاہتے ہیں کہ کوئی بندہ خدا اٹھے اور ان علماء کو بریک لگائے جو ہمت ہار کر اپنے روحانی اور معنوی متقبل کو اٹھ دوڑے ہیں۔ وما علینا الا البلاغ۔

**رحمانیہ دارالکتاب** | ہر قسم کی نایاب دینی کتابیں، عربی، فارسی، اردو، ملکی اور غیر ملکی ادراں اور میاری حالت میں خریدنے کے لیے ہمیں یاد فرمائیں (ایسی کتب خریدنے کے لیے ہم بھی چشم براہ ہیں)

عبدالرحمن عاجز مالیر کوٹلوی - رحمانیہ دارالکتاب این پور بازار لائل پور

# مولوی غلام رسول

ساکن قلعہ میہان سنگھ

خطہ پنجاب میں جن علمائے دین نے توحید و سنت کی دعوت عام کی۔ ان میں مولوی غلام رسول مرحوم کا نام سرفہرست ہے۔ ان کے آباء و اجداد موضع سکندر پور ضلع گجرات کے رہنے والے تھے بعد ازاں ترک سکونت کر کے کوٹ بھوانی داس ضلع گوجرانوالہ میں قیام پذیر ہو گئے۔ اعوان برادری کے اس خاندان کی وجہ سے کوٹ بھوانی داس پنجاب کا بعد ازاں مشہور ہوا۔

۱۲۲۸ھ / ۱۸۱۳ء میں مولوی غلام رسول پیدا ہوئے۔ ان کا شجرہ نسب یہ ہے۔ مولوی عبداللہ المعروف بہ غلام رسول بن مولوی رحیم بن نظام الدین خادم بن بہار الدین بن مولانا محمد اکرم بن حافظ عصمت اللہ بن مولوی عبداللہ بن شیخ سکندر بن نور محمد بن پیر محمد

اس خاندان کے بامعے میں ایں خانہ ہمد آفتاب است کی مثل صادق آتی ہے۔ نظام الدین خادم فارسی کے نہایت اچھے شاعر تھے۔ انھوں نے نظامی گنجوی کے تتبع میں ایک فارسی شنوی لکھی تھی۔

تعلیم: مولوی غلام رسول پانچ سال کے ہوئے تو قرآن مجید پڑھنے کے لیے مسجد میں بٹھائے گئے۔ بڑی مشکل سے قرآن مجید پڑھا۔ آغا میں ان کا حافظہ نہایت کمزور تھا مگر بارہ سال کی عمر میں پہنچ کر قوت حافظہ میں اس قدر ترقی ہوئی کہ ابتدائی تعلیم کی کمی پوری کر لی۔ اس زمانے میں خاندان بگا کی شہرت عروج پر تھی۔ مولوی غلام محی الدین بگویی بازار بکریا

لے بگا بھیر کے مواضع میں سے ہے۔ مولوی غلام محی الدین بن حافظ نور حیات بن حافظ محمد شتار بن حافظ نور محمد بگویی معروف عالم دین اور فقیہ تھے۔ ۲ محرم ۱۲۱۰ھ (۱۷۹۵ء) کو پیدا ہوئے۔ قرآن مجید حافظ حسین سے پڑھا اور ۱۲۲۹ھ میں برادر خورد مولوی احمد دین بگویی کے ساتھ دہلی گئے۔ (باقی برصغیر آئندہ)



لاہور میں منہج درس بچپائے ہوئے تھے۔ مولوی صاحب ان سے اکتاب فیض کے لیے لاہور گئے۔ لاہور میں مولوی صاحب امدان کے برادرِ غرور مولوی احمد دین مرحوم سے استفادہ کیا۔ تقریباً بیس سال کی عمر میں مروجہ درس عربی سے فارغ ہو گئے۔

### سفر سوات و بنیر

مولوی صاحب کی طبیعت بچپن ہی سے عبادت و ریاضت کی طرف راغب تھی۔ چنانچہ دورانِ تعلیم کتبِ اہل سے زیادہ نوافل اور عبادات پر زیادہ توجہ دیتے تھے۔ اس دور میں سوات کے اخوند صاحب کی شہرت دورِ دودنک پہلی ہوئی تھی۔ ان کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے سوات اور بنیر کا طویل سفر اختیار کیا۔ اخوند صاحب سے ملاقات ہوئی مگر طبیعت پر طبیعت آمادہ نہ ہوئی۔ واپسی پر ترمید ضلع ہزارہ میں چندے قیام کیا۔ جہاں کے نمبردار نے عزتِ مکرم سے رکھا اور حضرت میر کوٹھے والے کے حضور حاضر ہونے کا مشورہ دیا۔ نمبردار خود ان سے ارادت رکھتا تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب کوٹھے والا حاضر ہوئے اور حضرت میر کے دستِ حق پرست پر بیعت کی۔ ع

### مدت سے جس کی آرزو تھی مل گیا وہ گلِ انھیں

سفر سوات و بنیر سے واپس گھر آئے مگر اہل دل کی محبت سے استفادہ کا شوق اس قدر غالب تھا کہ کچھ عرصہ بعد سلسلہ حشمتیہ کے مشہور بزرگ خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ سے ملاقات کا

(حاشیہ غزشتہ) شاہ اسحاق دہلوی (د ۱۲۲۲ھ) سے حدیث پڑھی اور شاہ عبدالعزیز صاحب (د ۱۲۳۹ھ) سے استفادہ کیا۔ شاہ غلام علی مجددی (د ۱۲۴۴ھ) سے بیعت ہوئے۔ ۱۲۴۴ھ میں وطن مراجعت کی۔ والد انتقال کر چکے تھے۔ ان کی منہج درس و ارشاد پر محکم ہوئے۔ فقیر عزیز الدین کی درخواست پر لاہور آئے اور مسجد حکیموں میں بیس سال حدیث کا درس دیا۔ ہزار ہا علمائے ان سے اکتاب فیض کیا۔ ۳۰ شوال ۱۲۴۴ھ (۱۸۵۹ھ) کو دنات پائی۔ لہ اخوند عبدالغفور صاحب سوات صوبہ سرحد اور فوجی علاقوں میں با اثر بزرگ تھے۔ انھوں نے انگریزوں کے قبضہ پشاور (۱۸۴۹ھ) کے بعد سوات اور بنیر کے علاقوں میں شرعی حکومت کے قیام کی جدوجہد کی۔ انگریزوں سے مجاہدہ معرکے کیے۔ ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۷ھ) میں رحلت کی۔

۱۲۹۳ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن میں یتیم ہو گئے۔ تحصیل علم کے لیے دودرازا کے سفر کیے۔ آخر کوٹ ٹٹھن میں قاضی محمد عاقل خلیفہ خواجہ نور محمد جہاد کی کے درس میں شریک ہوئے۔ اپنے (باقی بر صفحہ آئندہ)

## سفر تونسہ

تونسہ جاکر خواجہ سلیمان تونسوچی سے ملاقات کی۔ چونکہ خواجہ موصوف اپنے مریدوں کو تصور شیخ کی تعلیم دیتے تھے اور ان کے ہاں بعض ایسے وظائف مروج تھے جن سے سنت کی بُرائیاں آتی تھیں۔ اس لیے چنداں تعلق خاطر پیدا نہ ہوا۔ تاہم خواجہ تونسوچی نے بلا بیعت اپنا خلیفہ ہونے کا شرف بخشا۔

## قیام لاہور

سفر تونسہ سے واپسی پر لاہور میں اقامت اختیار کی۔ لاہور میں توحید و سنت کے بھوسے ہوئے سبق کو دہرایا۔ ان کی بے باکی اور جراتِ حق گوئی کی وجہ سے ایک طبقہ مخالف ہو گیا۔ اور مخالفین نے بدنام کرنے کی پوری کوشش کی مگر مخالفین کی پالیسی ناکام ہوئی اور ان کے عقیدتمندوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ سینکڑوں غیر مسلم ان کے ہاتھ پر حلقہ اسلام میں داخل ہوئے اور بہت بڑی تعداد میں گمراہ مسلمانوں نے توحید و سنت کی راہ اختیار کی۔

## میاں نذیر حسین دہلوی سے استفادہ

لاہور میں ان کی داعیانہ کوششوں سے ان کا نام خاصا مشہور ہو چکا تھا۔ تاہم طلب علم میں اب بھی غارتھی۔ مولانا عبداللہ غزنوی کے ساتھ میاں نذیر حسین دہلوی (م ۱۳۲۷ھ) سے استفادہ کے لیے دہلی گئے اور ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ میں میاں صاحب سے حدیث کی سند لی۔

(ماہِ صفر گزشتہ) آبائی گاؤں گڑھ گوجی اور تونسہ میں دعوت و تبلیغ دین کرتے رہے۔ آخر، صفر ۱۳۲۶ھ کو دنیا سے رخصت ہو گئے۔ میاں نذیر حسین محدث ۱۳۲۲ھ (۱۳۰۵ھ) میں سورج گڑھ (بہار) میں پیدا ہوئے۔ صادق پور میں ابتدائی تحصیل علم کی۔ ۱۳۴۲ھ میں دہلی آئے اور سربراہِ درہ اکابر سے اکتسابِ فیض کیا۔ ۱۳۴۸ھ میں مجاہدین کی امداد کے الزام میں ایک سال قید و بند میں گزارا مگر مجرم ثابت نہ ہونے کی بنا پر رہا کر دیئے گئے۔ بعد میں شمس العلماء کا خطاب ملا۔ ۱۳۴۸ھ (۱۹۰۲ھ) میں دہلی میں انتقال کیا۔

۱۳۵۰ھ مولوی عبداللہ غزنوی بن محمد بن محمد شریف ۱۳۲۳ھ میں پیدا ہوئے۔ علامہ حبیب اللہ قندھاری اور میاں نذیر حسین محدث سے علم حدیث پڑھا۔ کافی عرصہ کابل میں رہے اور پھر اترسر (مشرقی پنجاب) میں سکونت اختیار کی۔ ۱۳۹۰ھ میں رحلت کی۔

۱۲۶۳ھ (۱۸۵۷ء) میں مسلمانان برصغیر نے آزادی حاصل کرنے کے لیے آخری عسکری کوشش کی۔ جنگ آزادی کے ابتدائی دنوں میں مولوی موصوف اور مولوی عبداللہ غزنوی دہلی میں تھے اور جس مسجد میں مقیم تھے وہاں گریباں آکر گرتی تھیں۔

جنگ آزادی کی ناکامی پر انگریزوں نے مسلمانوں کو خصوصی طور پر انتقام کا نشانہ بنایا۔ بہت سے علماء گرفتار ہوئے اور ان میں سے اکثر کسی ثبوت کے بغیر پھانسی چڑھا دیے گئے یا کالا پانی بھیج دیے گئے۔ مولوی موصوف دہلی سے رخصت ہو کر امرتسر آئے۔ دور روز حافظ محمود ام تسری کی مسجد میں ٹھہرے۔ امرتسر ہی میں مولوی صاحب کو معلوم ہو گیا کہ ان کی گرفتاری کا اشتہار جاری ہو گیا ہے۔ امرتسر سے اپنی سسرال فتح گڑھ تشریف لے گئے۔ فتح گڑھ میں بھی پولیس گرفتاری کی کوشش کرتی رہی مگر بے سود۔ مولوی صاحب قلعہ میہاں سنگھ آ گئے۔

قلعہ میہاں سنگھ میں اعزہ واقربا پہلے سے گرفتاری کے اشتہار سے آگاہ تھے۔ بھائی حکیم غلام محمد نے روپوشی ہونے کا شورہ دیا۔ اس پر فرمایا: پوشیدگی میں عمر گزارنی مشکل ہے۔ قضاے الہی پر میں راضی ہوں۔ حاکم وقت میرے بیانات سنے گا اور تحقیقات بھی کرے گا۔ یونہی شکایت پر مجھے پھانسی نہیں دے دے گا۔ آپ مجھے باہر نکلنے سے منع نہ فرمائیں۔ چنانچہ برسرِ عام نقل و حرکت کرنے لگے اور گرفتار ہو گئے۔ عدالتی کارروائی کے بعد آپ کی رہائی عمل میں آئی۔ اگرچہ رہا ہو چکے تھے مگر وعظ کہنے یا کہیں سفر کی اجازت نہ تھی۔

### حج مبارک

۱۲۸۵ھ میں حج کا قصد کیا اور مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ حج سے فراغت کے بعد مدینہ منورہ میں شاہ عبدالغنی بن ابوسعید مجددی کے درسِ حدیث میں شریک ہوئے اور سندِ فضیلت حاصل کی۔

### مولوی صاحب کا مزاح

مولوی صاحب مسلک اہل حدیث تھے۔ ایک بار ان سے کسی نے دریافت کیا کہ مقلد اور غیر مقلد کے بارے میں فیصلہ فرمائیے۔ انھوں نے جواب دیا:۔

یہ سمجھ کی بات ہے اور ہے بھی بڑی موٹی بات۔ مثال اس کی یوں ہے کہ ایک تالاب



سے چار نالیاں لگتی ہیں۔ جو شخص کسی نامی سے پانی پئے گا وہ تالاب ہی کا پانی ہوگا اور اگر کوئی شک والی طبیعت والا براہ راست تالاب سے پانی پئے گا تو وہ بھی اسی تالاب کا پانی ہے۔ یہی حال مقلد اور غیر مقلد کا ہے۔ صرف یہ ذہن میں رہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل کے سامنے کسی کے قول و فعل کی وقعت نہیں اور یہی ائمہ مجتہدین کا فرمان بھی ہے۔

## تصانیف

مولوی صاحب نے اصلاح عوام کے لیے پنجابی زبان کو ذریعہ اظہار بنایا۔ اگرچہ موصوف فارسی میں خط و کتابت کیا کرتے تھے۔ مؤلف حیات مولوی غلام رسولؒ نے ان کے فارسی مکتوبات اپنی کتاب میں درج کیے ہیں۔ مولوی صاحب نے شعر و نظم سے اصلاح اخلاق اور تبلیغ دین کا کام لیا۔ مولوی صاحب سے پنجابی زبان کی مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں۔ ان میں سے بعض کئی بار شائع ہو چکی ہیں۔

- ۱۔ قصہ حضرت بلالؓ (منظوم)
- ۲۔ حلیہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (خدا دو کلاں)
- ۳۔ قصہ سستی پتوں (منظوم)
- ۴۔ سی حرفی
- ۵۔ مجموعہ نماز بمعنی پنجابی۔ نماز جنازہ، خطبہ نکاح، طریق نکاح، صفت ایمان، شش کلمہ رسالہ مذمت بے نمازاں، ادعیہ سنونہ، فتویٰ فرضیت جمعہ و رد اعتیالی شامل ہیں۔
- ۶۔ تفسیر سورۃ فاتحہ۔
- ۷۔ پنج باب (پنجابی نثر) مسائل فقہ پر پکی روٹی کے انداز پر یہ کتاب چار ابواب پر مشتمل ہے یعنی عقیدہ، مسئلہ، فضیلت اور نصیحت۔
- ۸۔ پکی روٹی۔ پنجابی نثر میں مسائل فقہ پر ۱۶ صفحات کا رسالہ ہے۔ ۷۴ سوالات مع جوابات ہیں۔

۱۰۔ فتاویٰ مولوی غلام رسول (فارسی)

## تلامذہ

مولوی صاحب سے ایک دنیائے استغدادہ کیا۔ بیس پچیس طلباء ان کے پاس ہمیشہ مقیم رہتے

تھے جن کی ضروریات خورد و نوش وہ خود ہی پوری کرتے تھے۔ ان کے مندرجہ ذیل تلامذہ نے خاصی شہرت حاصل کی ہے۔

- ۱۔ حافظ دلی اللہ لاہوری (م ۱۲۹۶ھ) مؤلف مباحثہ دینی، صیانت الانسان و ابحاث ضروری۔
- ۲۔ مولوی عبدالعزیز بانی انجمن حمایت اسلام۔ لاہور
- ۳۔ مولوی غلام حسین ساکن ساہووالہ۔ ضلع سیالکوٹ
- ۴۔ مولوی احمد علی ساکن کوٹ بھوانی داس۔
- ۵۔ مولوی علاؤ الدین صاحب ساکن گوجرانوالہ۔

## وفات

۶۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۱ھ (۱۸۷۴ء) قلعہ میہان سنگھ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

# تعارف و تبصرہ کتب

انسان کامل :- مؤلف : پروفیسر خالد علوی ایم اے، ایم - اے - ایل

ناشر :- یونیورسٹی بک ایجنسی - ۱۹۴ - انارکلی - لاہور

قیمت :- ۳۶/ روپے صفحات : ۶۶۶

امت مسلمہ تہذیبی بحران کا شکار ہے۔ اخلاقی لحاظ سے ہم مغربیت میں رنگے جا رہے ہیں اباحت، تہجد اور لادینی افکار و نظریات ہم پر یلغار کیے ہوئے ہیں۔ قدرتی وسائل اور بے پناہ انسانی قوت کے باوجود مسلم دنیا فلاکت و غربت کے پچھپچھائے چھڑا سکی۔ غربت و افلاس کا علاج مختلف ازموں کو اپنا کر ڈھونڈا جا رہا ہے مگر امت مسلمہ کی زندگی سنورنے کے بجائے مزید بگڑتی جا رہی ہے سیاسی طور پر اسلامی ممالک مغربی جمہوریت کے دام میں پھنسے ہیں یا آمریت کے زرخے میں ہیں۔ سماجی طور پر اسلامی اقدار آہستہ آہستہ دم توڑتی جا رہی ہیں۔ ان حالات میں جب امت مسلمہ ایک مہیب اندھیرے میں ٹامک ٹوٹیاں مار رہی ہے اس کے احیاء اور دوبہ ترقی ہونے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کیا جاسکتا ہے تو وہ صرف یہ ہے کہ ہم خالق کائنات کے فرمان کو آدیزہ گوش بنائیں اور اپنی سوچ فکر اور عمل کو اس پر مرکوز کر دیں۔

لقد کان لکھ فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلا ریب زندگی کے ہر میدان میں اسوۃ کامل ہیں۔ انھوں نے انسان کی دنیوی و اخروی زندگی کی فلاح کے لیے جو پیغام پیش کیا اسے عملی جامہ پہنا کر واضح کر دیا کہ یہی آپ حیات ہے اور جاہلیت (قدیمہ و جدیدہ) کو اپنا کر انسان سکھ اور آرام کا سانس نہیں لے سکتا۔ خوش نصیب اور قابلِ صدمہ مبارک باد ہیں وہ لوگ جو یہ جوت جگہ نے میں منہمک ہیں۔

فاضل مؤلف ان ہی لوگوں میں سے ہیں جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کو دورِ جدید میں کامیابی کی کلید سمجھتے ہیں۔ انھوں نے زیرِ نظر بلند پایہ تالیف کے پہلے باب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم



کی زندگی کے اہم واقعات کو سیٹھ لیا ہے اور اس سلسلے میں تحقیق و تنقید کے معروف اصولوں کو پیش نظر رکھا ہے۔ ہر روایت اور بیان پر مختصر نقد و جرح سے کام لے کر اخذ و تردید کی ہے۔

اجتماعی تبصرہ کے بعد فاضل ٹولف نے نبی اکرم کی مختلف حیثیتوں - ذی وقار شہری، تاجر، خطیب، مبلغ و داعی، سپہ سالار، داعی انقلاب، مقنن و منصف اور سربراہ خاندان وغیرہ - سے ان کے پیغام عمل کو واضح کیا ہے اور کتاب کا یہ حصہ فکر انگیز اوزار مدد جاذب قلب و ذہن ہے ان ابواب سے یہ بات نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمام مادی پہلوؤں میں مکمل نمونہ ہے اور آج بھی ان کے طرز عمل کو اپنا کر فلاح و کامرانی حاصل کی جاسکتی ہے۔

فاضل ٹولف پروفیسر خالد علوی صاحب علمی ملتوں میں جانے پہچانے ہیں۔ اس سے قبل ان کے قلم سے دینی مسائل پر بیسوں مضامین اور مفید کتابیں اہل علم کے سامنے آچکی ہیں۔ انداز تحریر سادہ اور عام فہم ہے۔ بلا مبالغہ ایک عالم اور عام آدمی یکساں طور پر لطف اٹھائیں گے۔ کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں ملتی ہیں۔ امید ہے آئندہ ایڈیشن میں درست کر دی جائیں گی۔

(۲)

اشرف الناسک ملقب بر مناسک حج مؤلف: مولانا محمد اشرف علی قریشی

ناشر: شعبۂ تالیف و تصنیف دارالعلوم جامعہ اشرفیہ پشاور

صفحات ۱ ۲۴۰ قیمت: چار روپے صرف

حج امت مسلمہ کی ایک اہم عبادت ہے جس میں صبر و استقامت، جہاد و عزیمت، باہمی محبت و مودت، ضبط نفس اور تزکیہ اخلاق کی جملہ خوبیاں موجود ہیں۔ ضروری ہے کہ حج کے احکام و مسائل عام ہوں تاکہ فریضہ حج ادا کرنے والے خوش نصیب ہر آن اور ہر لمحہ اپنے حبیب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کر رہے ہوں۔ مولانا محمد اشرف علی قریشی نے راہِ محبت کے راہروں کے نیچے زیر نظر کتاب مرتب کی ہے۔ انھوں نے خانہ کعبہ کی مختصر تاریخ، اہم مقامات، حج کے احکام و مسائل اور ادعیہ ماثورہ نہایت سلیقے سے یکجا کی ہیں۔ امید ہے حجاج اس سے بھرپور استفادہ کریں گے۔

(۳)

حضرت ابوبکر صدیقؓ

انجمن تحفظ حقوق اہل سنت والجماعت کراچی کی طرف سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے یوم وفات

(۴)

## ماہنامہ "الہلال" پشاور

مولانا محمد اشرف علی قریشی باہمت نوجوان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں قلمی جہاد کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ ان کی ادارت میں ماہنامہ "صدائے اسلام" شائع ہو رہا تھا کہ تحریک تحفظ ختم نبوت کے لیے زیر نظر پرچہ جاری کیا۔

زیر تبصرہ "الہلال" کا اولین شمارہ ہے۔ ادارہ بجپا تلالہ اور موثر ہے۔ مضامین بھی اچھے ہیں البتہ تحریر میں پٹھانوں کا انداز گفتگو جھلکتا ہے۔ سالانہ چندہ پانچ روپے ہے۔

(۵)

## ہفت روزہ "الاصلاح" لاہور۔ اشاعت ۵ جولائی ۱۹۷۲ء

ہفت روزہ "الاصلاح" خاکسار تحریک کا آرگن ہے۔ زیر نظر خصوصی اشاعت ہے جس میں سال ۱۹۷۲ء کے اجلاس مرکزی مجلس مشاورت کی کارروائی اور فیصلے درج ہیں۔ حالات ماضیہ کے متعلق مضامین معلوماتی اور دلچسپ ہیں۔ (الوشاہد)

(۶)

## نام :- فتاویٰ علمائے حدیث

مرتب :- حضرت مولانا ابوالحسنات علی محمد سعیدی مدظلہ

صفحات :- کتاب الطہارۃ (۱۳۶) کتاب الصلوٰۃ حصہ اول (۲۶۴) جلد دوم (۲۴۰)

قیمت :- کتاب الطہارۃ ۱/- (۶ روپے) کتاب الصلوٰۃ حصہ اول (۶ روپے) جلد دوم (۱۲ روپے)

پتہ :- مکتبہ سعیدیہ - خانیوال - ضلع ملتان (پاکستان)

شرعی مسائل میں علمائے کرام کے جوابات کا نام فتویٰ ہے۔ ان کی حیثیت مشورہ، رائے اور رہنمائی کی ہوتی ہے، ان کو قانونی درجہ حاصل نہیں ہوتا، ہاں سرکاری حیثیت میں عدالتیں جو فیصلے سناتی ہیں، ان کو ایک قانونی حیثیت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ گو علمائے کرام کے فتوؤں کو قانونی درجہ حاصل نہیں رہا، تاہم امت مسلمہ کی رہنمائی کے لیے انہی سے زیادہ کام لیا گیا ہے اور ملت اسلامیہ نے بھی انہی سے ہی زیادہ استفادہ کیا ہے کیونکہ یہ بلا مُزد اور بلا مشقت مل جاتے ہیں۔ عدالتی نظام پر

بعض اوقات غیر صالح حکمرانوں کی سرکاری دھچکیاں اور ججوں کے ذاتی مصالح بوجھ بن جلتے ہیں، اس لیے عوام نے ان کی طرف بہت کم رجوع کیا ہے۔ اس سلسلے میں انہی بورینہ نشینوں کو سوادِ اعظم کا جتنا اعتماد حاصل رہا ہے سرکاری عدالتوں کو نہیں رہا بلکہ یہ عدالتیں بھی ہمیشہ انہی مبارک ہستیوں کی طرف رجوع کرتی رہی ہیں۔

فتاویٰ کا یہ سلسلہ نزولِ وحی کے وقت سے جاری ہے، قرآن حکیم اور احادیثِ پاک میں یہ کثرت سے ملتے ہیں۔ اس کے بعد صحابہ، تابعین اور دوسرے علمائے حق کے جو فتاویٰ منظرِ عام پر آئے ہیں اگر ان کو جمع کیا جائے تو ایک دفتر بے پایاں جمع ہو جائے۔ بہر حال ہمارے غرض یہ ہے کہ قاضی کا مخصوص محفوظ کرنے کے قابل ہیں جو مختلف شخصیتوں اور مذہبی حلقوں کی بنیاد پر مبنی نہیں ہیں بلکہ کتاب و سنت اور تعاملِ صحابہ سے ماخوذ ہیں کیونکہ یہ ملت اسلامیہ کی میراث اور امانت ہیں۔ زیرِ تبصرہ فتاویٰ بھی اسی سلسلے کی ایک مبارک کڑی ہے۔

ان فتاویٰ کے مطالعہ سے رہنمائی کے علاوہ کتاب و سنت سے مسائل اخذ کرنے کا سلیقہ بھی حاصل ہوتا ہے اور انسان اس چاشنی سے شاد کام بھی ہوتا ہے جو جعلی دساتنوں کے چکروں میں پڑ کر حاصل نہیں ہو سکتی۔

فاضلِ مرتب حضرت مولانا علی محمد سعیدی کے علم و عمل اور ساعیِ جمیلہ میں اللہ برکت دے۔ انھوں نے ان مبارک فتاویٰ کو یک جا کر کے ایک عظیم کارنامہ انجام دیا ہے۔ یہ وہ امانت ہے اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جاتی تو خدا جانے ان کا کیا حشر ہوتا۔ علامہ موصوف نے جن فتاویٰ (مرتب یا غیر مرتب) کو جمع کیا ہے ان کے نام یہ ہیں۔

فتاویٰ نذیریہ، فتاویٰ غزویہ، فتاویٰ شانیہ، فتاویٰ ستاریہ، مجموعہ فتاویٰ نواب صدیق حسن خان، فتاویٰ مولانا عبد المجید عمر پوری، فتاویٰ شیخ حسن عرب، فتاویٰ دلیل الطالب، فتاویٰ تنظیم اہل حدیث، فتاویٰ الاعتصام، فتاویٰ اہل حدیث سوہرہ، فتاویٰ اہل حدیث دہلی، فتاویٰ ترجمان اہل حدیث دہلی، فتاویٰ گزٹ اہل حدیث دہلی، فتاویٰ محدث دہلی، فتاویٰ قوانین فطرت، فتاویٰ تصحیف اہل حدیث کراچی، فتاویٰ عزیزہ۔

ان کو جمع کرنا اور منتشر مواد کو فراہم کرنا آسان بات نہیں ہے۔ خدا جانے موصوف کو اس کے لیے کتنی محنت اور زحمت اٹھانا پڑی ہوگی۔ خاص کر یہ دیکھ کر ہم حیران رہ گئے کہ موصوف نے یہ تمام ساعی جمیلہ محض اللہ کے سہارے پر انجام دی ہیں۔ اب وقتِ حالات اور دینی بحیثیت کا تقاضا ہے کہ ان کی



نشر و اشاعت میں کھل کر ان کے تعاون کیا جائے۔

ان فتاویٰ میں اختلافِ آراء بھی پایا جاتا ہے، جو علمی استعداد کا ایک قدرتی نتیجہ ہوتا ہے۔ اس سبب اساتذہ ہمنے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ نفع بہ نفع دلائل اور اسلوب استدلال کے نظارہ سے علم و تحقیق کی نئی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

ملک میں ادیب و رکنِ ملک کچھ آزاد اہل قلم بھی موجود ہیں جن کی نگاہ کتاب و سنت پر رہتی ہے۔ جدید الجھنوں، تقاضوں اور غماگوں سے بھی وہ باخبر ہیں اور ان کی یہ بھی کیفیت ہے کہ وہ کسی بھی فرقہ سے منسلک ہوں قرآن و حدیث کے خلاف اپنے ملک کی پابندی کے قائل نہیں ہوتے۔ ہم چاہتے ہیں کہ ان کے فتاویٰ کو بھی ساتھ ساتھ سمیٹ لیا جائے تو کتاب کی جامعیت اور بڑھ جائے گی۔ ہماری یہ بھی خواہش ہے کہ وہ عربی جوائڈ جو سعودیہ عربیہ سے نکلتے ہیں یا رابطہ عالم اسلامی، اخوان اور دوسری اسلامی اور دینی تحریکوں کے زیر اثر شائع ہو رہے ہیں۔ نئے حالات میں جو نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں ان کے سلسلے میں وہ بہت سے فتاوے شائع کر رہے ہیں، ان سے بھی استفادہ کیا جائے۔ کیونکہ وہ مدتوں سے آزاد ہیں، ان کو اجتماعی مسائل سے زیادہ پالا پڑا ہے، خصوصاً معاملات نکاح و بیوع، ملکی آئین، تعزیرات اور نظام اقتصادیات کے سلسلے میں ان کے تجربات ہماری بہ نسبت زیادہ ہیں۔ ان سے ضرور استفادہ کیا جائے ملک میں بہت سے ادارے یا انفراسٹرکچرل بائیں گے جن سے ایسے رسالے حاصل کیے جاسکتے ہیں۔

راقم الحروف کی یہ بھی خواہش ہے کہ، اعلام الموقعین کے اخیر میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو فتاوے جمع کیے گئے ہیں محل و موقع کے مطابق ان کو بھی درج کیا جائے اور قرآن حکیم میں ”يَسْتَفْتُونَكَ“ کے جواب میں جو قرآنی فتاوے ملتے ہیں، ان کا اندراج بھی ضروری ہے، جن ابواب سے ان کا تعلق ہے ان ابواب کو پہلے انہی سے شروع کیا جائے، کیونکہ ہمارے لیے اولین ماخذ وہی ہے۔

اس کے علاوہ جن جن اکابر کے فتاوے حاصل کیے گئے ہیں، ان کے مختصر سوانح اور تعارف بھی ضرور دیا جائے، الگ جز میں یا محل و موقع کے مطابق، اس کی افادہ حیثیت واضح ہے۔

فتاویٰ علمائے مدینہ کے تینوں حصے مدتوں سے میرے پاس تبصرے کے لیے پڑے تھے، ایک دو دفعہ ان پر تبصرہ لکھ کر ہفت روزہ تنظیم اہل مدینہ کے حوالے کیے بھی مگر افسوس! بار بار یاد دہانی کے باوجود شائع نہ ہو سکے، خدا جلنے کیوں؟ بہر حال حافظ صاحب کی حکمتِ عملی کو مولانا سعیدی صاحب ہی میری بہ نسبت زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جتنی تاخیر ہوئی گو اس میں میری مرضی کا دخل نہیں ہے تاہم مجھے اس کا افسوس ہے!

نام کتاب :- روح سعید مؤلف : محمد سعید رمضان البوطی

مترجم :- مولانا محمد حنیف خلیف الرشید مولانا محمد چراغ مدظلہ

صفحات : ۷۸ قیمت :- ۳/- روپے

طباعت : عمدہ طبع کا پتہ :- مکتبہ چراغ اسلام، بیون کھیالی دروازہ - گوجرانوالہ

ترکی کا مصطفیٰ کمال، ہند کا جلال الدین اکبر تھا۔ اس کی وجہ سے دینی لحاظ سے ترکی کا جو حال رہا وہ ایک آئندہ داستان ہے۔ اس کے فتنوں اور جاہلی نعروں کی بدولت مسلم ترکی کو پہچانا دشوار ہو گیا تھا۔ اس عہد میں ایک سادہ دل بندہ حضرت علامہ بدیع الزمان نورسوی ترکی اٹھا اور فراموشی کے وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کلمہ حق بلند کیا۔ پھر اس جرم حق کی پاداش میں عذاب و عقاب کے جتنے اور جیسے کچھ پہاڑ سر پر گرے، ایک مرد مجاہد کی طرح چوم کر ان کو آنکھوں پر رکھا۔

زیر تبصرہ کتاب میں اسی بندہ مومن اور مرد مجاہد کا تعارف اور تذکار ہے، جس کے مطالعہ کے وقت یوں معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کی طرف سے بارانِ رحمت کا نزول ہو رہا ہے۔ یہ کتاب ڈاکٹر محمد سعید رمضان کی تالیف ہے جو رابطہ عالم اسلامی کی مجلس تاسیس کے اہم رکن اور رابطہ کے گشتی سفیر بھی رہے ہیں۔

اس کا ترجمہ ہمارے عزیز فاضل نوجوان مولانا محمد حنیف صاحب نے کیا ہے جو ترجمہ کے بجائے اصل معلوم ہوتا ہے، زبان شستہ اور رواں ہے۔ فاضل موصوف اس سے پہلے حضرت حسن البنا و شہید رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۹۴۹ء) کی ایک کتاب کا بھی ترجمہ پیش کر چکے ہیں، جس کا نام تعلیمات حسن البنا و شہید ہے۔ ترجمہ کے علاوہ ان کا ذوق انتخاب بھی قابل رشک ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دونوں کتابچے اہم اور قابل مطالعہ ہیں۔

اس کتاب کے مطالعہ سے حق و باطل کے باہین دیرینہ آویزش کے دلچسپ نمونے مل جاتے ہیں جو دورِ حاضر کے داعیانِ حق کے لیے عملِ راہ بن سکتے ہیں، اس رسالہ کا مطالعہ ان "علماء" کے لیے بالخصوص مفید رہے گا جن پر شاہانِ وقت کے درباری بننے کا خط سوار ہو گیا ہے یا ہو رہا ہے۔

مترجم کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ پیش لفظ میں کتاب، مصنف اور اس کے پس منظر کے سلسلے کی ضروری معلومات بھی جیسا فرمائیے۔ ورنہ ساری کتاب پڑھ جانے کے باوجود تاریکی کو تاریکی محسوس ہوتی رہتی ہے جیسا کہ یہاں ہو رہی ہے۔ بلکہ کتاب میں بعض مقامات ایسے بھی آ جاتے ہیں جن کی وضاحت کیے بغیر

بات واضح نہیں ہو سکتی اس لیے ہر مترجم عموماً حواشی اور تعلیقات کے ذریعے اس مشکل کو حل کیا کرتے ہیں۔ اگر عزیز محترم نے آئندہ اس کا التزام کیا تو کتاب کی اہمیت کافی بڑھ جائے گی۔

(۸)

نام کتاب :- مسعود عالم ندوی مؤلف و مرتب :- جناب اختر راہی ایم۔ اے

صفحات :- ۱۰۴ قیمت :- ۶/- روپے

ملنے کا پتہ :- مکتبہ ظفر ناشر قرآنی قطعات - محلہ فیض آباد - سگودھا روڈ - گجرات۔

حضرت مسعود عالم ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ف ۱۶ مارچ ۱۹۵۴ء) علمی و ادبی اور سیاسی حلقوں میں جانی پہچانی شخصیت ہیں، موصوف ایک ادیب بھی تھے اور راسخ عالم دین بھی، سیاست دان بھی تھے اور با خدا سلفی بھی، اس سلسلے میں ان کی خدمات جلیلہ اور سامعی جمیدہ معروف ہیں۔ اس حیثیت سے ان کا جامع تذکار (بھی ان کے امداد مندوں اور جوہر شناسوں کی گردنوں پر قرض ہے، اور ان کی اس متنوع شخصیت کو محفوظ کرنے کا اس سے بہتر شاید ہی اور کوئی راستہ ہو۔ اب تک اس سلسلے میں جو کام ہوا ہے اس کی حیثیت زیادہ تر ایک پہلو یا منجملہ کی ہے، اسے پڑھ کر جو عام تاثر پیدا ہوتا ہے، وہ صرف اتنا ہے کہ وہ جماعت اسلامی کے عظیم رہنما اور اکابر جماعت اسلامی کے ایک محدود بزرگ تھے۔ گو یہ بھی ان کا ایک اہم پہلو ہے مگر وہ سارے یہ نہیں ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں ضمناً بہت سی باتیں آگئی ہیں لیکن اس میں ملحوظ زیادہ تر ان کے مکاتیب گرامی ہیں، جو عام سے معلوماتی اور بصیرت افروز ہیں، ہمارے دوست فاضل نوجوان جناب اختر راہی ایم۔ اے نے ان کو مرتب فرمایا ہے۔ موصوف کے خصوصی حواشی اور تعلیقات نے کتاب کی اہمیت کو دو بالا کر دیا ہے۔ اصل کتاب کی فہرست کے ساتھ اگر حواشی اور تعلیقات کی فہرست بھی الگ لگا دی جاتی تو تلاش میں آسانی رہتی۔ کیونکہ بعض حواشی عام سے معلوماتی ہیں۔ جزاء اللہ۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ (ف سس) کا سفر نامہ (رحلۃ الامام الشافعی) بہت مشہور ہے وقتاً فوقتاً بہت سے رسائل اور جرائد نے اس کے ترجمے بھی شائع کیے، جب ہم پڑھتے تو انتہائی ذہنی کوفت ہوتی، کیونکہ اس کی روایاتی حیثیت کچھ زیادہ تسلی بخش نہیں ہے جس کا ذکر کیے بغیر ہر مترجم نے کام چلایا ہے۔ اب کے مرتب نے اپنی تعلیقات میں اس پر تبصرہ کر کے نہ صرف ہمیں ایک ذہنی بوجھ سے نجات بخشی ہے بلکہ اسی کی روایاتی کم مائیگی کو بیان کر کے ایک علمی ذمہ داری کا حق بھی ادا کیا ہے۔ جزاء اللہ تعالیٰ، ملاحظہ ہو۔ منکھ



مکتب گرامی کی تعداد جو تیس (۳۴) ہے، ان میں بعض مکتوب ایسے بھی ہیں جن سے بعض اداروں اور افراد کے بعض خفیہ گوشے کھلتے ہوتے ہیں۔ اور کچھ وہ ہیں، جن سے مرحوم کی طالب علمین و لکچسپیوں اور مسلمانہ کاوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔

فاضل مرتب نے آخر میں بیشتر مکتوب الیہ حضرات (جن کو خطوط لکھے گئے) کا مختصر تعارف بھی پیش کیا ہے جو مختصر ہونے کے باوجود معلوماتی ہے۔ سب سے آخر میں ایک جامع انڈکس دیا گیا ہے جو کتاب میں مذکور، اعلام، اماکن، ادارے اور کتب کی ایک لسٹ دی گئی ہے۔ خصوصی طور پر فاضل مرتب نے اس کتاب کو ایڈٹ کرنے پر جو محنت کی ہے وہ قابل قدر اور لائق تحسین ہے۔

# مذاکرہ تعمیر فرد اور اصلاح معاشرہ

ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر صغیر حسن معصومی، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں  
مولانا ماہر القادری، حکیم محمد سعید دہلوی، حافظ نذرا احمد

✽ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا لیکن کیا وجہ ہے کہ یہاں کا جدید تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بیزار ہے؟

✽ ہماری معاشرے میں بے راہ روی جس تیزی سے قوت پکڑتی جا رہی ہے۔ آپ کے خیال میں اس کے اسباب کیا ہیں؟

✽ بلکہ روی اور دوسری معاشرتی خرابیوں کے تدارک کے لیے آپ کیا طریقہ کار تجویز کرتے ہیں؟  
✽ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں کہ فرد اور معاشرہ کی اصلاح کا انحصار تجدید ایمان و عمل پر ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس کا طریق کار کیا ہو سکتا ہے؟

✽ پاکستان کی غالب اکثریت دین سے جذباتی تعلق رکھتی ہے۔ تجدید و اصلاح میں علماء، اساتذہ اور دانشوروں کی ذمہ داری دوسرے طبقوں سے زیادہ ہے؟ یہ طبقے اصلاح معاشرہ میں کیوں ناکام ہیں یا پورے طور پر کامیاب کیوں نہیں؟  
✽ اصلاح فرد اور تظہیر معاشرہ کا آغاز کہاں سے کیا جائے؟

ڈاکٹر سید عبداللہ صدر دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور

سب سوالوں کو یک جا کر کے، سب کا خلاصہ سامنے رکھ کر ایک ہی جواب میں ہمہ جہت نقطہ نظر آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں۔

آپ کے سب سوالات کا تعلق کسی نہ کسی طور اصلاح معاشرت سے ہے۔ آپ یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ ہماری موجودہ معاشرت کیوں بگڑ رہی ہے۔ اس کی اصلاح علماء سے کیوں نہیں ہو رہی اور تعلیم یافتہ طبقے اپنے مذہب اور اپنی معاشرت سے کیوں بیزار ہیں۔

معاشرت کا بگاڑ غیر ملکی معاشرت کے پرزور حملے کی وجہ سے ہے۔ جس کے ذرائع و وسائل

نہایت مؤثر اور پرورد ہیں۔ ادب، سینما و فلم، ٹیلی ویژن، ریڈیو، ہوٹل، سیر و سفر اور سیاحت کی آسانیاں۔ ان سب میں ترغیباتِ نفس کو مشغول کرنے کے جملہ اسباب و محرکات موجود ہیں۔ جن کا مقابلہ کرنا اوسط درجے کے انسان (مسلمان) کے بس کی بات نہیں۔ یہ ترغیبات آہستہ آہستہ مزاج میں داخل کی گئیں۔ اس کے بعد جب مزاج مانوس ہو گئے (جیسا کہ اب تقریباً سارے عالم اسلام میں ہو چکے ہیں) تو لذت و شہوات کا کاروبار عام و خاص تک (بلکہ اب گھروں تک میں) پہنچا دیا گیا۔ بڑی عمر کے لوگوں میں سے ایک حصہ ایسا بھی ہے جو اسے ناپسند کرتا ہے مگر نوجوان تر نسلیں جو کالجوں، ہوٹلوں اور سینماؤں کی فضا میں اور نام نہاد ادب کے ماحول میں پل کر نکلی ہیں۔ گھروں میں بھی غالب آپچی ہیں خصوصاً لڑکیاں۔ یہ سب لوگ پرانی معاشرت سے نفرت کرنے لگے ہیں اور کچھ عجب نہیں کہ عنقریب یہ ملک (باقی عالم اسلام کی طرح) مغربی معاشرت کے شہوانی مظاہر کا گھر بن جائے۔

اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ اس کا ایک سبب جدید تعلیم ہے جو ہر مغربی شے کے لیے انس اور میلان پیدا کر دیتی ہے۔ یہ میلان آہستہ آہستہ ہر شے مغربی کو لبیک کہہ دیتا ہے۔ مغربی ممالک کے ساتھ سیر و سفر کے مواقع اب زیادہ ہو گئے ہیں۔ جو لوگ وہاں جلتے ہیں۔ ظاہری لذت بخش ماحول کے شیدائیں کر آتے ہیں اور یہاں پہنچ کر ان سلسلوں کے مبلغ بن جلتے ہیں۔ بین الاقوامی اعلیٰ ہوٹلوں کی پاکستان میں تعمیر اس لیے گوارہ کی جاتی ہے (بلکہ حوصلہ افزائی کی جاتی ہے) کہ ان کی وجہ سے پاکستان کو زرمبادلہ کمانے کا موقع ملتا ہے۔ اس کی آڑ میں مغرب کے فواحش پھیلتے ہیں اور پھیلائے جاتے ہیں۔

مغربی اقوام — خصوصاً یہودیوں کے کئی ادارے، مختلف ناموں سے اسلامی ملکوں میں (بشمول پاکستان) ان میں فواحش کی منظم تربیت کرنے پر لگے ہوئے ہیں اور تربیت کنندگان میں کالجوں اور یونیورسٹیوں کے بہت سے اساتذہ شامل ہیں۔

یہ امراض قوم کے اصرار میں سب سے زیادہ ہیں ان کی دیکھا دیکھی متوسط اور اُس سے نیچے کے طبقوں میں بھی پھیل رہے ہیں۔ اور دانشور گروہ (غریب پردہ کی دھجیوں کے باوجود) ان فواحش کے لیے علمی دلائل مہیا کرتا ہے۔

اب آپ سوال کریں گے کہ اس صورتِ حال کا مقابلہ کیوں نہیں کیا جاتا؟ گزارش ہے کہ اس کے کئی اسباب ہیں۔

۱۔ مغرب کی ہر معاشرتی رسم کے ساتھ کسی نہ کسی فائدے کا پیوند لگایا جاتا ہے۔ مغربیوں کو



معلوم ہے کہ نفع کی دلیل اب عالم اسلام میں بہت مقبول ہے لہذا نفع کی چاشنی دے کر دہر کو دُور تک پہنچا دیا جاتا ہے۔

۲۔ جب علماء اس کی مخالفت کرتے ہیں تو کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ علماء ہمیشہ مسلمانوں کے لیے فائدہ چیزوں کی ممانعت کرتے آتے ہیں۔ اور یوں بھی علماء کی بات بے وزن کر دی گئی ہے۔

۳۔ خود علماء بھی یوں بے اثر رہتے ہیں کہ ان کی معلومات مغربی اشیاء و مظاہر کے بارے میں ناقص ہوتی ہیں اس لیے ان کا حملہ اکثر بے دلیل اور غیر موثر ہوتا ہے۔

۴۔ تعلیم یافتہ طبقہ مزاجاً نفع پسند، بے حس بلکہ دین بیزار ہے۔ اَلَا مَآثَرُ اللہ۔ ان میں اچھے لوگ بھی ہیں مگر ان میں اس محاذ پر کام کرنے کا ذوق بھی نہیں اور شوق بھی نہیں۔

۵۔ علماء کی مذکورہ بالا بے خبری کے علاوہ، ان کا تصور نئی عن المنکر بھی بدل گیا ہے۔ وہ صرف بُرا سمجھنے تک محدود رہتے ہیں۔ برائی کا صحیح علم حاصل کر کے، اس کے خلاف جہاد کی تنظیم نہیں کرتے۔ ہاتھ سے ٹھیک کرنے کا پروگرام اب مصلحتیوں کی نذر ہو گیا ہے۔

۶۔ علماء بڑی برائیوں کو بڑی کہہ کر عجز کا اظہار کر دیتے ہیں۔ چھوٹی برائیوں کو معمولی کہہ کر پیچھا چھڑا لیتے ہیں۔

۷۔ علماء کی توجہ زیادہ تر فرقہ وارانہ مسائل کی طرف رہتی ہے یا اردناں سیاست۔ معاشرت کی اصلاح کا جو موقع انہیں مساجد میں ملتا ہے اُس سے فائدہ نہیں اٹھاتے فرقہ وارانہ بحثوں میں فرار کا راستہ پا کر اصلاح معاشرت کا فریضہ انجام نہیں دیتے۔

۸۔ طریق کار کے جدید راستوں سے بے خبری ہے۔ ورنہ کسی ایک نکتہ پر کام کا آغاز کر کے اسے دوسری برائیوں تک پھیلایا جاسکتا ہے، درجہ بدرجہ اور مرحلہ بہ مرحلہ۔ لیکن وہ یا تو کچھ کرتے ہی نہیں یا تقاضہ یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص بیک وقت مکمل اسلام کا مکمل پیکر بن جائے اور ظاہر ہے کہ یہ ممکن نہیں، اس لیے علماء کی اٹھائی ہوئی اصلاحی تحریکیں محدود دائرہ خواص سے آگے نہیں بڑھ سکتیں۔

اب رہا یہ کہ اصلاح احوال کی صورت کیا ہے؟ تو گزارش یہ ہے کہ صورت حال جہاد کی طلبگاہ ہے۔ جہاد میں جدوجہد کی ہر صورت شامل ہے جسے یقین سے شروع کیا جائے اور عقل و حکمت سے چلایا جائے۔ امن پسندانہ ذرائع سے لے کر مسلمانوں کی قوت مجتمہ کے سہارے برائیوں کو زبردستی روکنے تک ہر چیز اس میں شامل ہے۔ مگر پہلے برائی کے بارے میں پورا علم، اس کے بعد دلائل سے پورا اتمام حجت اور موعظہ حسنہ اور آخر میں مکمل مقابلہ، انسداد اور بیخ کنی۔ اور اس

دلتے میں جملہ شدائد و مصائب کی بعد تحمل برداشت — اس پروگرام میں تدریج ایک لازمی عنصر ہے اور پہلے مرحلے میں موعظ حسنہ اور اتمام حجت بال حکمت — پھر ہم خیال لوگوں تکلیف — پھر تربیت برائے جہاد، پھر جہاد، اس جہاد نہی عن المنکر کے سوا، موجودہ مغربی برائیوں کا انسداد ناممکن ہے — اسلام کا معاشرتی حصہ اب تقریباً نابود ہوا چاہتا ہے — دیر طلب لمبے تربیتی پروگراموں میں پڑنے کی مطلق گنجائش نہیں۔

یہ یاد رہے کہ یہاں جہاد سے میرا سنی تبلیغ — اور رائے عامہ کی قوت سے فوٹس کا انسداد مراد ہے۔ تشدد اور دہشت انگیزی نہیں۔ رائے عامہ کا منظم ہو جانا بجائے خود ایک قوت ہے۔ اُسے کسی تشدد کی ضرورت نہیں — مگر

جناب من — یہ کام کون کرے گا۔ جو لوگ فرقے کی لڑائی میں مصروف ہیں۔ وہ یہ کام کیسے کریں گے ؟

## ڈاکٹر صغیر حسن معصومی

(ڈاکٹر صاحب نے تمام سوالوں کے ترتیب وار جواب لکھے ہیں۔ ادارہ)

۱۔ پاکستان میں مسلمانوں کو امن کی ضمانت مل گئی، خوف خدا کا اور دشمن کا جاتا ہوا تعلیم گاہوں میں تعلیم ناقص رہی۔ ارباب مل و عقد نے اسلامی احکام اور اسلامی نظام برتنے کا کبھی خیال نہیں کیا۔ نصاب تعلیم لادینی رجحان کے ماتحت مرتب کیا جاتا رہا۔ بیسویں صدی کی لادینی تہذیب سارے عالم میں خصوصاً پاکستان میں فروغ پاتی رہی۔ سیاسی راہنماؤں نے اپنا سیاسی غلبہ ہاتھ سے جاتا دیکھ کر ذہنی سطوت قائم کرنے کے لیے برٹش لائبریریوں، امریکن سنٹروں کا قیام ملک کے بڑے بڑے مرکزوں میں ضروری سمجھا تا کہ جدید علوم و فنون کے ساتھ ساتھ مغربی تہذیب و تمدن کو عام کرنے کے لیے عملی میدان مہیا کریں۔ بنابریس لیڈرز ایکسچینج (LEADERS EXCHANGE) اور فارن اسکالرشپ (FORI) EON SCHOLARSHIP نیز ممالک خارجہ کے سفر خرچ کی داد و دہش سے نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں کو اپنانا اُن کے لیے تعجب خیز نہ تھا۔ ان ہتھکنڈوں کے علاوہ درس، کتابوں کی فراہمی اور مطالعہ کے لیے کتابیں دے کر نو پختہ ذہنوں کو غلام بنانا ان کے لیے دشوار نہ رہا۔ پس آج اگر جدید تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے بیزار ہوتا جا رہا ہے۔ تو یہ لازمی نتیجہ ہے ان ثقافتی منصوبوں کا، نیز ہماری تہجد و لہدی اور لادینی ترقی پسندی کا۔

۲۔ ہمارے معاشرے میں بے راہ روی کی ذمہ داری خود پاکستان کے معماروں پر عائد ہوتی ہے۔

ان معماروں نے اسلام کے نام پر پاکستان تو حاصل کر لیا مگر اسلام کے اولیٰ و نواہی پر عمل کرنے کا کوئی سامان نہ کیا۔ مغرب زدہ دیگر مسلم ممالک کی دیکھا دیکھی پاکستان کے قائدین نے شعائر اسلامی اپنے لیے کسر شان سمجھا۔ پاکستان میں مغربی علوم کے حاملین کی تعداد دوسرے مسلم ممالک سے کہیں زیادہ رہی اور ہے۔ ان علمی راہنماؤں کا فریضہ تھا کہ یورپ و امریکہ کی ترقی یافتہ قوموں کے علوم کو اپنانے کے ساتھ اپنے اخلاق و کردار کو یورپ اور امریکہ کے معاشرتی عادات و اطوار سے متاثر ہونے سے بچاتے مگر انہوں نے علوم جدیدہ کے اکتساب کے ساتھ ساتھ ..... اپنے دینی شعور کو اپنے لیے ننگ و عار سمجھا اور اپنے علمی مرکزوں کو جو بیشتر دراصل مسیحی کلیسا ہیں یکسر بھلا بیٹھے۔ علوم و فنون تو سیکھ آتے مگر اپنا دین اور اپنا اخلاق بیچ آئے۔ دَبَّشَ مَا اشْتَرَوْهُ (کیا بڑا سودا انہوں نے کیا!)۔

ان قائدین علم و نظام نیز حکومت کے شعبوں کے افسران کے بچے لامحالہ اپنے ماں باپ کے عادات و اطوار و لادینی حرکات و سکنات سے متاثر ہوتے رہے۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں نئی روشنی بڑھتی رہی۔ اور لادینی طور طریقے کی روز افزوں ترقی کا نتیجہ یہ ہے کہ پاکی و طہارت کا خیال تک جو مسلمانوں کا طرہ امتیاز تھا بالکل جاتا رہا اور آج اسکولوں، کالجوں اور جامعات میں آبدست لینے اور آرام کے ساتھ قضا حاجت کے وسائل تک باقی نہیں رکھے گئے۔

لادینی تعلیم اور لادینی نصابوں کے ساتھ صبح ساڑھے چھ بجے سے رات کے دس گیارہ بجے تک کے ریڈیو اور ٹیلیوژن کے پروگراموں، موسیقی، ڈرامے، فیچرز اور نئے منصوبے کب دین و مذہب سے لگاؤ رکھتے ہیں کہ اسلامیات کی برائے نام ادھوری تعلیم سے بچوں کو دین سے لگاؤ پیدا ہو سکتا۔

جب مسلمانوں کے اعلیٰ اور ادنیٰ لطفوں میں اکثر و بیشتر شراب، بھوا اور غیر اسلامی تہذیب کو فروغ ہوا اور حلال و حرام میں تمیز باقی نہ رہے۔ استحصال، چور بازاری، رشوت ستانی، فریب و نفاق عام ہو جائے تو اسلام کے نام سے بیزاری نہ ہوگی تو کیا امانت و دینداری اور تقویٰ و پرہیزگاری کو فروغ ہوگا؟

خود بیشتر علماء کا جو حال بظاہر ہم پاکستان میں دیکھتے ہیں تو اسلامی معاشرے کی بے راہ روی سے کوئی تعب نہیں ہوتا۔ ہمارے ملک میں صرف ایک مکتب فکر کے علمائے جمیعہ میں بٹے ہوئے



ہیں دوسرے مکاتیب فکر کا کیا تجزیہ کیا جائے؟

جن لوگوں کو اللہ نے توفیق دی ہے کہ وہ مسجدوں میں حاضر ہوتے ہیں اور دین کی باتیں سنتے ہیں۔ ان میں تبلیغ کرنے سے مسلم معاشرے کی خرابیاں کیوں کر دور ہو سکتی ہیں؟ نیز لوگوں کے حقوق سے غافل ہو کر اللہ کے حقوق کی ہم کب نگہبانی کر سکتے ہیں؟

۳۔ بے راہ روی اور دوسری معاشرتی خرابیوں کا تدارک اسلامی احکام پر عمل کرنے لوگوں میں عملی نمونہ بننے، حسن سلوک و نیک اخلاق پیش کرنے اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طریقہ کار پر چلنے ہی سے ممکن ہے۔ اس کے سوا دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہو سکتا۔

۴۔ بے شک فرد و معاشرہ کی اصلاح ایمان و عمل کے مظاہرے پر موقوف ہے۔ اللہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے، اتباع ہوا و ہوس سے گریز کرنے کی ضرورت ہے۔ اسوۂ رسولؐ کو پس پشت ڈال کر ہم ترقی کر سکتے ہیں نہ فلاح پا سکتے ہیں۔

۵۔ پاکستان کے اکثر و بیشتر دیہی مسلمان علم سے بے بہرہ سی، دین کے گرویدہ ہیں۔ مگر اصحاب علم، ارباب حل و عقد، دانشور اور اساتذہ میں سے اکثر و بیشتر، اَلَا مَاشَا اللہ، ہر قسم کے استحصا میں مبتلا ہیں۔ پاکستان میں تجربے سے ظاہر ہے کہ جو زیادہ علم و دانش رکھتا ہے وہ اسی قدر استحصا کا مرد میدان ہے اور قرآن کریم کے الفاظ میں مَنِ اتَّخَذَ إِلَهًا هَوَاهُ كَمَا مَصْدَاقُ بَنَّا ہوا ہے یعنی اپنی خواہش نفسانی کو اپنا معبود سمجھتا ہے۔

۶۔ آئیے اصلاح فرد اور تطہیر معاشرہ کا آغاز خود اپنے سے یعنی اپنی ذات سے کریں۔ دَاوِدُ عَزِيْزَتِكَ الْاَنْبِيَاۡیَ اپنی اصلاح سے اپنے اہل و عیال اور اپنے اقربا اور احباب کو متاثر کریں کہ وہ وہ بھی صدق و صفا، زہد و اتقار، محبت و ایثار، اخوت و مساوات کے نمونے بن جائیں اپنے دفاتر میں وقت پر پہنچیں، اپنے فرائض کو ایمان داری کے ساتھ بجالائیں، کسی قسم کی لالچ کے لیے دوسروں کے کاموں کو التوا میں نہ ڈالیں۔ حلال کھائیں۔ حرام سے بچیں۔ بجا کہا ہے وزیر امور دینیہ نے کہ پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صحابہ کرام کی حیات طیبہ کو فلما کر اسلام کی تبلیغ ہم نہیں کر سکتے۔ رشوت لے کر ہم بنی نوع انسان کی مدد نہیں کر سکتے۔ حرام و ممنوع فدا تے ابلاغ سے ہم دین کی نشر و اشاعت نہیں کر سکتے۔

دنیا بھر کی خبروں سے آگہی حاصل کرنے اور سارے علوم جدیدہ اور دنیا بھر کے فنون کے حصول سے اذعان و یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ پاکستان کے نیز سارے عالم کے

مسلمانوں کو ہدایت کی توفیق دے اور اسلامی احکام پر عمل پیرا بنائے! کہ ملک کی خوشحالی اور ترقی اسی میں مضمر ہے۔ دَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغُ۔

## ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صدر شعبہ اردو سندھ یونیورسٹی۔ حیدرآباد

۱۔ پاکستان بے شک اسلام کے نام پر قائم ہوا ہے۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ بالکل جاہل ہے اس طبقے کو نہ دین کے متعلق کچھ معلوم ہے اور نہ دنیا کے بارے میں کچھ جانتا ہے جس موضوع یا مضمون میں اُن کو اپنی مہارت کا دعویٰ ہے اس میں وہ بالکل کورے ہیں۔ اور اب تو "لڑکی نما" لڑکے اس قدر نکمے ہیں کہ وہ معاشرے کے عضو معطل ہو کر رہ گئے ہیں۔ اس لیے ایسے طبقے سے مرعوب اور متاثر ہونے کی ضرورت نہیں۔

۲۔ آپ کے بقیہ سوالات کے لیے عرض ہے کہ ہمارے علماء اور اساتذہ ہی تمام خرابیوں کے ذمہ دار ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابہؓ نے استفادہ کر کے تمام عالم کی اصلاح کی۔ ہمارے علماء اور اساتذہ نے علم تو حاصل کیا لیکن تزکیہ نفس کی طرف توجہ نہیں کی۔ اس لیے عوام نے ان سے بیزاری اختیار کی۔ حالانکہ عوام اب بھی دین سے لگاؤ رکھتے ہیں اور انہیں اب بھی اچھے رہبروں کی تلاش ہے۔ لیکن افسوس کہ ان کے اس لگاؤ سے بھی ہم لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے اور ان کی اصلاح، صلاح، فلاح و خیر کی کوئی پرواہ نہیں کی اگر علماء اور اساتذہ کا کردار مثالی ہو تو اب بھی ہمارا معاشرہ درست ہو سکتا ہے۔ خدا کرے ہم لوگ پہلے اپنی اصلاح کر لیں اور باہمی جنگ و جدال اور تفرقہ پروری سے دور رہ کر ایثار و قربانی اور خدا کے خلق کو اپنا شعار بنائیں اقبالؔ نے سچ کہا ہے

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست

اگر بہ او نہ رسیدی تمام بوہی ست

## مولانا مہر القادری۔ مدیر "فاران" کراچی

۱۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ مذہب سے اس لیے بیزار ہے کہ اس کا مطالعہ ان کتابوں تک محدود ہے جو مغربی تمدن و تہذیب "مادہ پرستی اور ہوا و ہوس" کے محرکات کے ترجمان ہیں۔ پاکستان کا طریقہ تعلیم انگریز کے طرز تعلیم کی نقل اور یادگار ہے۔ اگر پاکستان کی تعلیم کے پچھلے طریقہ کو بدل کر اسے

دینی غالب میں ڈھالا جاتا تو نوجوانوں کے دل و دماغ کی تربیت دینی انداز پر ہوتی۔ روس میں تعلیم کا محور سوشلزم ہے اس لیے وہاں کے نوجوان سوشلزم ہی کو اپنی نہات و فلاح کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ہم نے دینی کو تعلیم کا محور نہیں بنایا۔

۲۔ اس کا بڑا سبب "آخرت فراموشی" ہے۔ آخرت پر زبانی اقرار کے ساتھ آخرت سے عام غفلت پاتی جاتی ہے اور اس منزل میں

طر جو مبد کا عالم وہی ضیاء کا عالم

صحابہ کرام آخرت کی جواب دہی کا احساس رکھتے تھے کہ ہمیں اپنے ایک نہ ایک فعل کا اللہ تعالیٰ کو جواب دینا ہے۔ اس لیے ان نفوس قدسیہ کا معاشرہ اخلاقی اعتبار سے انتہائی پاکیزہ معاشرہ تھا۔

۳۔ جو مسلمان معاشرتی بے راہ روی کا احساس رکھتے ہیں۔ انہیں خود عملاً نیک اور اسلامی اخلاق کا نمونہ بننا چاہیے۔ اس سے دوسرے لوگ بھی لازمی طور پر متاثر ہوں گے۔ پھر انفرادی نیکی پر قناعت نہ کی جائے نیکی کو پھیلایا جائے۔ ہمارے معاشرے میں ایسے بہت سے نیک لوگ پائے جاتے ہیں جو خود تو نیک ہیں مگر اپنی اولاد کی اخلاقی تربیت کی زحمت گوارا نہیں کرتے چراغ سے چراغ جلتے رہنا چاہیے اس طرح روشنی پھیلتی ہے۔

۴۔ میں نہیں سمجھ سکا "تجدید ایمان" سے آپ کی کیا مراد ہے؟ شاید یہ مراد ہو کہ مسلمان اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہوئے گناہوں سے توبہ کریں اور آئندہ نیکی اور پاک بازی کی زندگی گزارنے کا عہد! یہ تو بڑا اچھا کام ہے۔ تجدید عہد اور توبہ و انابت سے زندگیوں میں تقدیس پیدا ہوتی ہے۔

۵۔ اس کا سبب وہی چیز ہے جس کی نشاندہی سوال نمبر ۲ کے جواب میں کر چکا ہوں۔ یعنی آخرت فراموشی "اللہ، رسول، قرآن اور اسلام سے ہمارا جذباتی لگاؤ عقیدت کی حد تک ہے۔ حالانکہ غیبت کے ساتھ اطاعت لازمی شے ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ ریڈیو، ٹیلی ویژن اور پریس جن کے ذریعے اصلاح معاشرہ اور اخلاقی انقلاب برپا کرنے کی کامیاب کوشش کی جاسکتی ہے۔ وہ غیر اخلاقی مظاہر میں استعمال ہو رہے ہیں۔ کسی گھرانے میں کوئی بزرگ صبح و شام اخلاق کی تلقین کرتا ہے مگر ٹیلی ویژن پر نیم عریاں رقص اس اخلاقی تلقین پر پانی پھیر دیتا ہے اور سب کیا کرایا برابر ہو جاتا ہے۔

۶۔ اس کا آغاز مسلمانوں کے ہر گھر سے ہونا چاہیے۔ معاشرہ افراد سے بنتا ہے۔ گھریلو زندگی



سُدر جاتے تو معاشرہ لازمی طور سُدر جاتے گا۔ گھر کے افراد کی اخلاقی تربیت بڑی پتہ ماری کا کام ہے۔ گھر کے بڑے لوگ اس محنت سے جی چراتے ہیں اور خود نیکی کرتے مگر اپنی اولاد کو نیک بنانے سے غافل ہیں۔

آخر بات یہ عرض کرنی ہے کہ اعلیٰ طبقہ کے طرز معاشرت سے معاشرہ بہت کچھ اثر قبول کرتا ہے۔ مگر پاکستان میں ان بڑے آدمیوں کی زندگیوں کا جو رنگ ہے وہ راز کی بات نہیں ہے۔ ”الانس علیٰ دین مکتوبہ“ کی ضرب المثل پاکستان میں پوری طرح صادق آرہی ہے! بھارت جو لادینی اسٹیٹ ہے اس میں شراب ممنوع اور پاکستان جو اسلام کے لیے اور اسلام کے نام پر بنا ہے وہاں شراب پر کوئی پابندی نہیں۔ یہی حال دوسرے فواحش و منکرات کا ہے۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ہاتھ میں زمام حکومت آتی تو اُن کی تنہا ذات نے معاشرے میں انقلاب برپا کر دیا۔

## حکیم محمد سعید۔ مدیر بہادرِ وصحت کراچی

اصلاحِ فرد اور تطہیرِ معاشرہ بلاشبہ ایک بڑی ضرورت ہے۔ آپ نے میرے لیے چند سوالات بھجوائے ہیں۔ میں نہایت اختصار کے ساتھ ان کے جوابات آپ کی خدمتِ اقدس میں بھجوا رہا ہوں۔

۱۔ پاکستان بلاشبہ اسلام کے نام پر قائم ہوا مگر یہاں اسلام جاری و ساری رکھنے کی آخر کوئی مثبت کوشش کی گئی ہے؟ سب سے پہلے اس پر غور کر لینا مناسب ہوگا کہ بعض علمائے کرام کہ جن پر فکرِ اسلامی کی مہرِ تصدیق ثبت ہوا کرتی ہے۔ خود انہوں نے اسلام کا کیا مظاہرہ کیا ہے اور خود انہوں نے اتحادِ فکر کی برکات اور اتفاقِ رائے کے فیوض کا کیا مفہوم سمجھا؟ اگر یہ حقیقت ہے کہ بیشتر علمائے کرام میں یکسر اتحاد و اتفاق نہیں ہے اور یہ حضرات کرام اتحاد و اتفاق اور یکگانگت کی شاہراہ سے ہٹ گئے ہیں اور ان کی قوتیں اور ان کی صلاحیتیں اور ان کی عظمتیں انقلابِ اسلامی لانے پر صرف نہیں ہو رہی ہیں بلکہ ان کا انتشار طاعونِ طاقتوں کو قوت اور قطعی غیر اسلامی نظریات کو قوت بخش رہا ہے تو معاشرے کا پریشان ہونا امرِ بدیہی ہے۔ اس صورتِ حال نے اسلامی صفوں میں انتشار اور مناسرت پیدا کی ہے اور ذہین طبقے نے اس کا نہایت خراب اثر لیا ہے۔ یہ وہ ذہین طبقہ ہے جس کو آپ نے ”جدید تعلیم یافتہ طبقہ“ کہا ہے اور اس کی تعلیم اس انداز پر ہوئی ہے کہ جو قطعی طور پر اسلامی تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ بعض حالات میں یہ تعلیم اسلام کی نفی بھی کرتی ہے۔ اس طرح پاکستان کا یہ ذہین طبقہ ”صحیح تربیت اور معقول تعلیم دونوں سے یکسر محروم رہا۔ اس طبقے سے آپ مذہبِ بنیاری

کے سوا آخر کیا توقع قائم فرما سکتے ہیں؟

۲۔ میری رائے میں ایک ملت کی تعمیر ذہنی اور تربیت فکری کے لیے استوار بنی تعلیم بنیادی چیز ہے اور پاکستان میں سب سے زیادہ جس چیز سے غفلت برتی گئی ہے وہ تعلیم ہی ہے۔ دراصل مسئلہ یہ درپیش رہا کہ ہم سرے سے یہی فیصلہ نہ کر سکے کہ پاکستان کا نظریہ مملکت کیا ہوگا۔ یہ فیصلہ نہ کرنے کے مواقع متعدد ہیں۔ ان میں سرفہرست یہ ہے کہ پاکستان میں ہیئت اقتدار کا ایمان ہمیشہ منزلہ رہا خود ہیئت اقتدار اسلام سے نا آشنا اور اس کے تقاضوں کے ادراک سے محروم تھی اور اس پر متنازع یہ کہ وہ بیرونی دباؤ میں مسلسل رہی ہے۔ برطانوی تربیت یافتہ ہیئت ماکہ اور انتظامیہ کا حال یہ رہا ہے کہ وہ اپنے جہل کی بنا پر تعلیم کے معاملے میں بھی غیر ملکی امداد پر بھروسہ کرتے رہے ہیں خود ان پر ان کو کبھی بھروسہ نہیں رہا ہے۔ اس لیے پاکستان کا نظام تعلیم افکار غیر سے متاثر اور مرعوب رہا ہے۔ اور وہ ہرگز ایسا نظام تعلیم نہ تھا اور نہ ہے کہ اسے اسلامی نظام تعلیم کا نام دیا جاسکے۔ اس نظام تعلیم میں تربیت کو ایک ضروری جز کی حیثیت سے کوئی جگہ نہیں دی گئی۔ اس کا ظاہری نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے ملی تقاضوں سے اس کیسے متاثر اور ناقص نظام تعلیم نے وہ افراد ملت پیدا ہی نہیں کیے کہ جو اقتدار اسلامی سے مالا مال ہوتے۔ ان افراد کو نہ اسلام سے تعلق پیدا ہو سکا اور نہ ان میں پاکستان سے محبت کا جذبہ مقدس پیدا ہو سکا۔ وہ معاشرہ کہ جو ایسے محروم افراد پر مشتمل ہو ان سے خیر کی توقع قائم نہیں کی جاسکتی۔ بات یہاں ہی ختم نہیں ہوتی۔ آپ دیکھ رہے ہیں کہ پاکستان میں ٹیلی ویژن کیا کردار ادا کر رہا ہے؟ یہاں فلموں نے کیا فساد برپا کر رکھا ہے؟ یہاں اخبارات کا مزاج کیسا ہے؟ یہاں ہیئت ماکہ کا انداز فکر کیا ہے؟

۳۔ آپ کے اس سوال کا جواب میرے جواب نمبر ۲ میں واضح طور پر موجود ہے۔ ایک اسلامی انقلاب لانے کے لیے ساری طاقتوں کو مجتمع کرنا ہوگا۔ اس طاقت کا سرچشمہ خوش قسمتی سے اب بھی علماء ہیں۔ میرے نزدیک یہ سب سے بڑی اور غنیمت مہلت ہے کہ جو ملی ہوئی ہے۔ تمام علمائے کرام کو قطعی طور پر متحد ہو کر انقلاب اسلامی لانے کے لیے رہنمائی کا فریضہ مقدس انجام دینا چاہیے اور ملت کو اپنی فکری عظمتوں سے اور اپنی تعمیری جدوجہد سے اور اپنے فکر و عمل کی یگانگت سے قرآن و سنت کی روشنی عطا کرنی چاہیے۔ اہل فکر و نظر کی ایک بڑی تعداد پاکستان کی نہایت قیمتی متاع ہے۔ اس متاع ملی کا پورا احترام کرنا چاہیے اور انقلاب اسلامی کی جدوجہد میں صفوں کی درستی کے وقت اہل فکر و نظر کو اہمیت دینی چاہیے۔ میں اسے امتزاج علوم سے



تبعیر کردوں گا اور یہ امتزاج علوم و صرف علماء کی حاجت ہے بلکہ اہل فکر و نظر کی ضرورت ہے۔ اسلامی انقلاب پاکستان کا سب سے بڑا مطالبہ ہے اور اس اسلامی انقلاب کی ابتدا نظام تعلیم میں یکسر انقلاب سے کرنی چاہیے۔

۴۔ میں جواب نمبر ۳ میں اس سوال کا محاکمہ کر چکا ہوں۔ تجدید ایمان و عمل کے لیے نسخہ کیمیا کتاب و سنت کی روشنی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ اس روشنی میں پاکستان کو منور کر دینے کا جذبہ صادق جب تک پیدا نہ ہو گا ہمارے مسائل سلجھیں گے نہیں، الجھتے رہیں گے۔ علم و عمل کی طاقتوں کو متحد کرنے اور تعصبات کو ختم کر دینے اور قلوب میں وسعت پیدا کر لینے سے راستے کھل سکیں گے۔

۵۔ اگر آپ میرے دل کی بات پوچھنا چاہتے ہیں اور اس سے ناراض نہ ہوں گے تو میں یہ کہوں گا کہ بعض اساتذہ ناقابلِ بیان مصائب کی بنا پر اپنے فرائض میں مخلص نہیں ہیں۔ بیشتر علمائے کرام دورِ جد کا چیلنج قبول کرنے اور اس کا مناسب رد کرنے کی پوزیشن میں نہیں ہیں اور ہمارے شاعر، نئے ادیب، اور دانشور جن کے ہاتھوں میں ہمارے ملکی اور ملی نظام کی باگیں ہیں۔ کتاب و سنت کی روشنی سے محروم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنی راہ کے مستقیم ہونے پر اصرار ہے اور صراطِ مستقیم غالی پڑی ہے۔ اس پر کوئی بھی ردِ موردِ وجود نہیں ہے۔ اب بتائیے کامیابی کہاں سے آئے گی؟ اور غالب اکثریت کے دین سے جذباتی لگاؤ کا کیا حشر ہو گا۔

۶۔ تعلیمی انقلاب سے ایک ایسا نظامِ تعلیم و تربیت قائم و نافذ کرنے کہ جو انقلاب اسلامی پر منتج ہو۔

## حافظ نذر احمد پرنسپل شبلی کالج لاہور

جوابات (اختصار کے ساتھ)

۱۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کی مذہب سے بنیاری خود اس کے نام یا لقب سے ظاہر ہے جو آپ نے انہیں دیا ہے یعنی جدید تعلیم

جدید تعلیم، اس کا اسلوب، اس کا نصاب، نصابی نظریات، طرزِ تدریس، تدریسی ماحول، غرض ہر پہلو مذہب بنیاری بلکہ مذہب دشمنی پر مبنی ہو تو اس ہتھیار سے لیس ہونے والا طبقہ مذہب بنیاری نہیں تو کیا ہو گا؟

وجوہات اور بھی ہیں لیکن بڑی اور بنیادی وجہ جدید تعلیم ہے۔



۲۔ معاشرتی بے راہ روی کی وجہ ایک نہیں متعدد ہیں۔

۱۔ عالمی تحریکات جن کا اثر ہم پر بھی پڑ رہا ہے۔

عالمی ذرائع ابلاغ، باہر سے آنے والے نوع بہ نوع ”سیاح“۔

ب۔ تعلیمی نصاب، ماحول اور نظام۔

ج۔ دین سے بے خبری، اور اہل دین کی اپنے فرائض سے کوتاہی اور بے عملی۔

د۔ والدین یعنی گھر۔

۳۔ میرے نزدیک خرابیوں کا تدارک ممکن نہیں جب تک مندرجہ ذیل تدابیر اختیار نہ کی جائیں۔

دینی تعلیم کی عمومیت کی ماسعی موثر انداز میں کرنا۔

جدید تعلیم کا دین اور دینی تقاضوں سے ہم آہنگ کیا جانا۔

قائدین دینی اور سیاسی کا نمونہ عمل۔

۴۔ ”تجدید ایمان و عمل“ سے انکار ممکن نہیں لیکن یہ تجدید کون کرے گا؟

۱۔ انفرادی ماسعی۔

ب۔ حکومتی سطح پر فیصلے۔

ج۔ دینی قیادت کا موثر اور محسوس طور پر سرگرم عمل ہونا۔

## مولانا امین احسن اصلاحی

مکرمی زاد لطفہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ سوالنامہ موصول ہوا۔ اگر میں ان سوالوں کے مختصر جواب لکھوں تو اس سے بڑی غلط فہمیاں پیدا ہوں گی اور اگر مفصل جواب لکھوں تو مجھے ایک پورا مقالہ لکھنا پڑے گا۔ اس کے لیے میرے پاس بالکل فرصت نہیں ہے۔ اب میری قوتِ کار بہت کم ہو گئی ہے۔ اس وجہ سے تفسیر کے سوا دوسرے تمام کاموں سے دستبردار ہو گیا ہوں امید ہے آپ میری یہ معذرت قبول فرمائیں گے۔

والسلام

امین احسن اصلاحی